20/-

مدیر اعلیٰ
مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری

مدیر
مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

# ماہنامہ سنی دنیا میں اشتہار دے کر اپنے کاروبار اور ادارے کو فروغ دیں

**Monthly Package Four Colour** — ماہانہ پیکیج فور کلر

| S. No. | Adv. Space | کوارٹر پیج Quarter Page | ہاف پیج Half Page | فل پیج Full Page | اشتہار کی جگہ | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | Back Title Page | 4000/- | 6000/- | 8000/- | بیک ٹائٹل پیج | ۱ |
| 2 | Back Side of Front Title Page | 3000/- | 4000/- | 6000/- | فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۲ |
| 3 | Back Side of Back Title Page | 2000/- | 3000/- | 5000/- | بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۳ |

**Quarterly Package Four Colour** — سہ ماہی پیکیج فور کلر

| S. No. | Adv. Space | Quarter Page | Half Page | Full Page | اشتہار کی جگہ | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | Back Title Page | 10000/- | 15000/- | 20000/- | بیک ٹائٹل پیج | ۱ |
| 2 | Back Side of Front Title Page | 7000/- | 10000/- | 15000/- | فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۲ |
| 3 | Back Side of Back Title Page | 5000/- | 7000/- | 12000/- | بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۳ |

**Half Yearly Package Four Colour** — ششماہی پیکیج فور کلر

| S. No. | Adv. Space | Quarter Page | Half Page | Full Page | اشتہار کی جگہ | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | Back Title Page | 15000/- | 20000/- | 30000/- | بیک ٹائٹل پیج | ۱ |
| 2 | Back Side of Front Title Page | 12000/- | 15000/- | 20000/- | فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۲ |
| 3 | Back Side of Back Title Page | 7000/- | 10000/- | 18000/- | بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۳ |

**Yearly Package Four Colour** — سالانہ پیکیج فور کلر

| S. No. | Adv. Space | Quarter Page | Half Page | Full Page | اشتہار کی جگہ | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | Back Title Page | 20000/- | 30000/- | 50000/- | بیک ٹائٹل پیج | ۱ |
| 2 | Back Side of Front Title Page | 15000/- | 20000/- | 30000/- | فرنٹ ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۲ |
| 3 | Back Side of Back Title Page | 10000/- | 15000/- | 25000/- | بیک ٹائٹل پیج کا اندرونی حصہ | ۳ |

**Black & White Package any in side Magzine** — بلیک اینڈ وائٹ پیکیج رسالہ میں کہیں بھی

| S. No. | Adv. Space | Quarter Page | Half Page | Full Page | اشتہار کی جگہ | نمبر شمار |
|---|---|---|---|---|---|---|
| 1 | Monthly | 1000/- | 2000/- | 3000/- | ماہانہ | ۱ |
| 2 | Quarterly | 2000/- | 5000/- | 7000/- | سہ ماہی | ۲ |
| 3 | Half Yearly | 4000/- | 7000/- | 10000/- | ششماہی | ۳ |
| 4 | Yearly | 6000/- | 10000/- | 15000/- | سالانہ | ۴ |

**نوٹ:**

۱ تین مہینے کا مطلب کوئی بھی تین مہینے، اسی طرح چھ یا بارہ مہینے کا مطلب کوئی بھی چھ یا بارہ مہینے۔

۲ وقت اور حالات کے پیش نظر اشتہار کی اشاعت مقدم و مؤخر بھی ہو سکتی ہے۔

۳ پورے اشتہار کی رقم یک مشت جمع کرنی ہوگی۔

**Contact: 82 Saudagaran, Dargah Aalahazrat, Bareilly Sharif (U.P.), Pin - 243003, Mob. 9411090486**

**Account Details: Asjad Raza Khan, SBI A/c No. 10592358910, IFSC Code: SBIN0000597**

**بیادگار**

امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین


مرکز سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت آستانہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا علمی دینی و اصلاحی ترجمان

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

# ماہنامہ سنی دنیا

بریلی شریف

# MAHNAMA SUNNI DUNIYA

September-2017 ذی الحجۃ ۱۴۳۸ھ / ستمبر ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی مدظلہ العالی قاضی القضاۃ فی الہند

مدیر اعلیٰ:

**مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری**

مدیر:

**مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی**

ترئین کار:

عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا

معین اختر رضوی، کمپیوٹر سیکشن بے آر ایم ہیڈ آفس

فی شمارہ ۲۰ روپے | زر سالانہ ۲۵۰ روپے

پاکستان سری لنکا اور بنگلہ دیش سے ۱۰۰۰ روپے | دیگر ممالک ۳۵ امریکی ڈالر

رابطہ کا پتہ: دفتر ماہنامہ سنی دنیا، ۸۲ سوداگران، بریلی شریف، یوپی Cont. Add



**MAHNAMA SUNNI DUNIYA**

82 Saudagran, Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003

Cont. No. 0581-2458543, 2472166, 3291453 :فون

E-mail:- sunniduniya@aalaahazrat.com

nashtarfaruqui@gmail.com, atiqahmad@aalaahazrat.com

Visit Us: www.aalaahazrat.com, eisjamiaturraza.ac.in, hazrat.org




**جلد نمبر ۲ Vol. 2**

**شمارہ نمبر ۹ Issue 9**

## قانونی انتباہ:

کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔ اہل قلم کی آرا سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

گول دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے۔ برائے کرم آگے کے لئے اپنا زر سالانہ پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ آگے بھی جاری رہ سکے۔

## نوٹ:

رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دوپہر ۱ بجے تک نیچے دیے گئے نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں:

9259089193

**ہدایت:** اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ سنی دنیا کے لئے مضامین بھیجتے وقت لفافہ پر "برائے سنی دنیا" ضرور تحریر فرمائیں۔ آپ اپنے مضامین ہمارے ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔


ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲ سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

# اس شمارے میں



## خیال رہے! گوشت کے تیسرے حصے کا مستحق منتظر ہے

**جس** وقت ہم پچاس ہزار سے لاکھ روپئے تک کے بکروں کی قربانی کر کے اپنے ہم پلہ دوست واحباب کی پر تکلف ضیافتیں کرتے ہیں، اس وقت ہمارے اطراف وجوانب میں کچھ نادار مسلمانوں کو قربانی کرنا تو دور گوشت کی چند بوٹیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں اور ہم اپنے فارغ البال احباب سے اپنی فراخ دلی کا خراج وصول کر کے بقیہ گوشت کو ہفتوں مہینوں کے لئے فریج کے حوالے کر دیتے ہیں جبکہ اپنے نادار بھائیوں کا بھی خیال رکھنا ہماری مذہبی ذمہ داری ہے، غریبوں کے غم خوار نبی ﷺ نے اسی جذبہ ہمدردی کے تحت ان کے لئے گوشت کا تیسرا حصہ مخصوص فرمایا ہے، للہٰذا انھیں ان کا حصہ ضرور دیں تا کہ وہ بھی عید کا احساس کر سکیں۔ [نشتر فاروقی]

از: سید اولادِ رسول قدسی نیویارک امریکہ

# شرف کی ضمانت کو کہتے ہیں ماں

خدا کی امانت کو کہتے ہیں ماں — رہے احترام اس کا پیشِ نگاہ
نبی کی عنایت کو کہتے ہیں ماں — ضیائے عبادت کو کہتے ہیں ماں

سراپا محبت کو کہتے ہیں ماں — رہو اس کے دامن سے تم منسلک
دل و جاں کی راحت کو کہتے ہیں ماں — شرف کی ضمانت کو کہتے ہیں ماں

نہیں کوئی سرمایہ اس کی طرح — نہ کھا کر کھلائے جو اولاد کو
کرے مثلِ دولت کو کہتے ہیں ماں — اس اظہارِ شفقت کو کہتے ہیں ماں

ہر وقت ہے جس کی جلوہ گری — ہے حق جس کا بعد ممات آل پر
اس آبادِ جنت کو کہتے ہیں ماں — اس اکرام و عزت کو کہتے ہیں ماں

خریدی نہیں جا سکے جو کبھی — رضا جس کی ربِّ جہاں کی رضا
اسی بیش قیمت کو کہتے ہیں ماں — اس انعامِ قدرت کو کہتے ہیں ماں

ہے روحِ عبادت جسے دیکھنا — محبت ہے جس کی فقط مامتا
اسی پاک صورت کو کہتے ہیں ماں — اس اخلاص و الفت کو کہتے ہیں ماں

جو سوئے نہ بچے کی خاطر کبھی — ہے حکم اس کا فتح و ظفر کا سبب
اس ایثار و خدمت کو کہتے ہیں ماں — منور ہدایت کو کہتے ہیں ماں

ہے آغوش میں جس کی اک درس گاہ — کرو اس کی خوبی بیاں تا حیات
اسی نورِ سیرت کو کہتے ہیں ماں — سزاوار مدحت کو کہتے ہیں ماں

کرے دور غم جس کی بس اک جھلک — جو تھکتی نہیں زندگی بھر کبھی
اسی وجہِ فرحت کو کہتے ہیں ماں — اس احسان و منت کو کہتے ہیں ماں

جہاں میں نہیں جس کا ثانی کوئی — لٹا دے جو جان اپنی اولاد پر
عظیم ایسی نعمت کو کہتے ہیں ماں — اس اقدام جرأت کو کہتے ہیں ماں

دعاؤں سے جس کی ہو روشن حیات — نہیں جس کے لب پر نہ آئے کبھی
ان آثارِ رحمت کو کہتے ہیں ماں — اس امداد و نصرت کو کہتے ہیں ماں

ہے لپٹی ہوئی جس کے قدموں سے خلد — جلال اس کا ایسا کہ قرباں جمال
اس اعزاز و عظمت کو کہتے ہیں ماں — حسیں ایسی عادت کو کہتے ہیں ماں

ترقی اولاد کی چاہ میں — نہیں ملتی جس تربیت کی مثال
لگن اور محنت کو کہتے ہیں ماں — اس انداز و حکمت کو کہتے ہیں ماں

بقیہ ص ۵۴ پر...

از: عبدالرحیم نشتر فاروقی

# قربانی اور گوشت کی مذہبی اور سماجی حقیقت

اسلام کی روزافزوں ترقی سے چودہ سوسال قبل بھی مخالفین کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا اور آج بھی اس کی مقبولیت سے ان کے دلوں میں بغض وحسد اور تعصب وعناد کے انگارے دہک رہے ہیں، آج نہ صرف اسلام اور مسلمانوں پر مختلف بہانوں سے طعن وتشنیع کی جاتی ہے بلکہ حکمت وموعظت سے مملو اسلامی احکامات وعبادات کو بھی تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے بالخصوص ہندوستان میں قربانی اور گوشت خوری کے مسئلے پر ہندؤں کی طرف سے اکثر یہ اعتراضات کئے جاتے ہیں کہ "اسلام جانوروں پر ظلم وستم اور ان کے حقوق کی پامالی کرتا ہے اور مسلمان محض اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے بےزبان جانوروں کا بہیمانہ قتل کرتے ہیں، قربانی کے لیے حکم الٰہی محض ایک بہانہ ہے، ورنہ یہاں بھی تسکین نفس کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

آیئے سب سے پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا صرف مسلمان ہی گوشت خور ہیں، ہندو یا دوسری قومیں نہیں؟ کیا اس کی اجازت صرف اسلام ہی میں ہے، ہندو مذہب میں اس کی اجازت نہیں؟ جب ہم اقوام عالم پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو دنیا کی ایسی کوئی بھی قوم نظر نہیں آتی جو گوشت خور نہ ہو بلکہ کم وبیش سبھی قومیں گوشت کھاتی ہیں۔

اس سلسلے میں کسی بھی غور وفکر سے پہلے صرف اپنے شہر کی میٹ یا چکن شاپ پر موجود لوگوں کا جائزہ لیں تو وہاں ہندؤں کی اچھی خاصی بھیڑ ان اعتراضات کی قلعی کھولتی ہوئی نظر آئے گی کہ جب ہندؤں کی غالب اکثریت نہ صرف گوشت خوری کی عادی ہے، بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد دیدہ ودانستہ جانوروں کی خرید وفروخت میں بھی ملوث ہے، حتی کہ جب ان کے گائے بیل قابل استفادہ نہیں رہ جاتے تو یہ خود انہیں قصابوں کے حوالے کرتے ہیں، بھی کوئی جھجک نہیں محسوس کرتے، صرف یہی نہیں آج دنیا کا کون "ایسا ہندو" ہے جو چمڑے کے جوتے، چپل، جیکٹ یا چمڑے سے بنی دیگر چیزیں استعمال نہیں کرتا؟ کیا یہ چیزیں گھاس پھوس سے بنی ہوئی ہیں؟ گائے، بھینس یا دوسرے ذی روح بےزبان جانوروں کی کھال سے نہیں؟

ایسے میں گوشت خوری کے ذریعہ جانوروں پر ظلم وزیادتی کا الزام صرف مسلمانوں ہی کے سر کیوں؟ ایک ہی عمل اگر آپ کریں تو حق وثواب اور اگر مسلمان کریں تو ظلم اور عذاب؟ حق وباطل کا یہ دوہرا معیار کیوں؟ مسلمانوں سے ایسا تعصب کس لئے؟ آخر یہ کیسا انصاف ہے؟۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ جب انسان تعصب وتنگ نظری کا شکار ہو جاتا ہے تو وہ خود کیا کر رہا ہے، یہ سوچے سمجھے بغیر دوسروں کے عمل پر اعتراض کرنا اپنا شیوہ بنا لیتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ خود شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں کے محل پر پتھر پھینکنا شروع کر دیتا ہے اور اس حقیقت کو یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے کہ خود اس کا گھر شیشے کا ہے جو صرف ایک معمولی پتھر کے ضرب سے چکنا چور ہو سکتا ہے۔

اب آپ ہندؤں کے اس ذہنی دیوالیہ پن کو کیا کہئے گا کہ خود ہندو مذہب کے مختلف فرقے مثلاً "شاکت، شیوی، اگھم، گورکھا، ہریجن" اور ان جیسے دیگر ہندو فرقے ہر زمانے میں نہ صرف جانوروں کا بلکہ "گائے" "بھینس کا گوشت کھاتے رہے ہیں، حتی کہ زندہ اور مردہ انسانوں کا گوشت بھی کھانا جائز اور باعث اجر وثواب تصور کرتے رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہندو دھرم کے بکھرے گئے چنے فرقوں اور ان کے چند دھرم گروؤں کو چھوڑ کر بھی ہندو فرقے گائے، بھینس اور دیگر جانوروں کا گوشت خاص موقعوں کے علاوہ عام دنوں میں بھی "شوق

ورغبت'' سے کھاتے اوراسے جائز وحلال سمجھتے ہیں۔

حتیٰ کہ جب راجہ کی تاج پوشی کی جاتی تو''لال بیل'' ذبح کر کے اس کی کھال پر اسے بٹھانے کا ضروری رسم ادا کیا جاتا، اسی طرح شادی بیاہ، یگ، شرادھ اور دیگر خاص موقعوں پر ''گئوبلی'' کے علاوہ بیل، بھینس اور دوسرے جانوروں کو قتل کرنا، ان کا گوشت کھانا''پُن'' اور نہ کھانا''پاپ'' تصور کرتے تھے۔

چنانچہ''شِوفرقے کے ہندو آج بھی''کالی ماتا یا دیوی'' کے استھان پر بکرے یا بھینسے کی بلی یعنی قربانی دیتے ہیں، ان کا ماننا ہے کہ جو شخص دیوی کے نام پر''بلیدان'' کرے گا، وہ اتنے سال ''سورگ'' میں رہے گا جتنے بال اس کے سر میں ہوں گے۔

چنانچہ'' ویدک انڈے انڈیکس'' میں ہے''دواہ سنسکار کے وقت کھانے کے لئے گائیں کاٹی جاتی تھیں۔''

[ویدک انڈے انڈیکس، ۲/۱۴۵]

اسی طرح ''ویدک ایج'' میں ہے''رگوید کے ایک سوکت سے دواہ سنسکار کے پرانے روپ کا پتہ چلتا ہے، دولہا اور بارات دولہن کے گھر جاتے تھے، وہاں باراتی دولہن کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے، اس موقع پر مہمانوں کے لئے ماری گئی گائیوں کا گوشت پیش کیا جاتا تھا۔''

[ویدک ایج، ص ۳۸۷]

یونہی مسٹر مکندی لال اپنی کتاب'' کاؤ اسلاٹر آف ڈائلوما'' میں لکھتے ہیں''قدیم ہندوستان میں تقاریب ورسومات اور محافل میں گائیوں کو مارنا اچھا مانا جاتا تھا، دولہا اور دولہن ویدی کے سامنے ''لال بیل'' کی کچی کھال پر بیٹھتے تھے، وہ کھال اس بیل کی ہوتی تھی، جسے اس موقع پر کھانے کے لئے قتل کیا جاتا تھا۔''

[کاؤ اسلاٹر آف ڈائلوما، ص ۱۸]

دھرم شاشتر وچار مراٹھی میں ہے کہ''ست پرھ براہمن کے ۳-۱-۲-۲۱ میں حکم دیا گیا ہے کہ''پنڈت پجاری'' کو گائے بھینس دونوں کا گوشت کھانا چاہئے بلکہ دونوں میں جس کا گوشت زیادہ نرم ہو اسے ہی کھانا چاہئے۔''

اس کے تعلق سے ہندو دھرم شاشری ڈاکٹر پانڈورنگ وامن نے بڑی ہی حقیقت افروز بات کہی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں''ایسا نہیں تھا کہ ویدوں کے وقت میں''گائے مقدس'' نہیں تھی، اس کی پاکیزگی کے ہی سبب واجسنئی سینہتا یعنی''یجروید'' میں یہ اصول وضابطہ پیش کیا گیا ہے کہ''گائے کا گوشت'' کھانا چاہئے۔''

[دھرم شاشتر وچار مراٹھی، ص ۱۸۰]

سوامی نکھل آنند لکھتے ہیں کہ''سوامی وویکانند نے پرانوں کی تقلید کرنے والے برہمنوں کو بڑے جوش کے ساتھ بتایا کہ ویدوں کے زمانے میں گائے کا گوشت کھایا جاتا تھا، جب ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ ہندوستانی تاریخ کا سنہرا وقت اور سنہرا زمانہ کون تھا؟ تو انھوں نے کہا کہ: ویدوں کا زمانہ سنہرا وقت وسنہرا زمانہ تھا جب''پانچ برہمن'' مل کر''ایک گائے'' ہضم کر جاتے تھے۔''

[وویکانند وایوگرافی، ص ۹۶]

حتیٰ کہ ان کے دھرم گرنتھوں مثلاً''رگوید، یجروید، اتھروید، پران، براہمن شاشتر، منوشاشتر، منواسمرتی، مہابھارت، رامائن اور اپنشد'' وغیرہ میں گوشت خوری کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ کھانے والے پر کسی طرح کا گناہ عائد نہ ہونے کی صراحت بھی موجود ہے۔

ملاحظہ ہو''منواسمرتی'' باب ۵''جو لوگ ایسے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں جن کا گوشت کھانے کے لائق ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں خواہ وہ روزانہ ایسا کرتے ہوں کیوں کہ خود ایشور نے کچھ کو کھانے اور کچھ کو کھائے جانے کے لئے پیدا کیا ہے۔''

اتنا ہی نہیں جو آدمی حلال گوشت نہیں کھاتا وہ آخرت میں ہمیشہ کے لئے جانور ہو جاتا ہے چنانچہ اسی''منواسمرتی'' میں ہے:

नियुक्तस्तु यथान्वायं यो मांसनान्ति मानव:1

स प्रेत्य पशुता याति समवानेक विशतिम्

(मनुस्मृति 5.35)

''یعنی مذہبی کتابوں کے احکام وقوانین کے مطابق جو گوشت حلال ہے وہ گوشت جو انسان نہیں کھاتا وہ آخرت میں ہمیشہ کے لئے جانور بنا دیا جاتا ہے۔''

نیز ایک دوسری جگہ''منواسمرتی'' ہی میں ہے:

नाशनीयाद ब्राहमणो मासं मुनियुक्त कथंचन1

कृतौ श्रा) नियुक्तोवा अनश्नन पतीत

(मनुस्मृति 3.55)

"یعنی عقیدت مندوں میں بنا طے کئے برہمن کھانا نہ کھائیں لیکن یگ یا شرادھ میں طے کر کے جو برہمن "گوشت" نہ کھائے تو وہ ذیل اور کمینہ ہو جاتا ہے۔"

اسی طرح "رگوید" میں بھی وامدیو یورشی کے ذریعہ کتے کا گوشت کھانے کا ذکر ہے:

अवत्यर्या शुन आन्त्राणि पेचेन देवेषु विविदे मार्डितारम!

अपश्यं जयाम महोयमानामद्या मे श्यानो मध्वा जभार!!

(ऋगवेद 4.18.13)

"یعنی وامدیو نے کہا کہ میں نے چونکہ کسی دوسرے دیوتاؤں میں سے کسی کو بھی راحت و آرام میں نہیں دیکھا، اس لئے میں نے مجبور ہو کر "کتے" کی آنتیں پکائیں، میں نے اپنی بیوی کو ذلیل ہوتے دیکھا تب اندر باز پرندہ کی طرح اڑ کر میرے لئے "سوم رس" لے آیا۔"

برا ہو تعصب و تنگ نظری کا جس نے اچھے بھلے انسانوں کو ایسے ذہنی فتور میں مبتلا کر دیا ہے کہ انہیں اپنے مذہبی قاعدے قانون کی بھی دھجیاں اڑانے میں کوئی شرم و حیا نہیں محسوس ہوئی، بھلا ایسے لوگ کسی دوسرے مذہب کے احکامات و عبادات کا کیا احترام کر سکتے ہیں جنھیں خود اپنے مذہبی احکامات کی کوئی پرواہ نہیں۔

ایک موقع پر پتامہ بھیشم نے مرنے والوں کی "آتما کی شانتی" کے لئے دھرم راج یدھشٹھر کو شرادھ میں ۱۲/ سے زیادہ قسم کے جانوروں کا گوشت کھلانے کا مشورہ دیا اور ہر ایک جانور کے گوشت کی الگ الگ فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا:

"اے یدھشٹھر میری بات سنو وہ کون سی چیزیں ہیں جو شرادھ کے دوران پیش کرنا مناسب ہے اور وہ کون سے پھل ہیں جو ہر ایک سے جڑے ہیں؟ شرادھ کے وقت سیسم، بیج، چاول، باجرہ، پانی جڑ اور پھل پیش کئے جائیں تو آبا و اجداد کو ایک ماہ تک سکون ملتا ہے، اگر مچھلی شرادھ میں پیش کی جائے تو وہ اس سے دو ماہ تک سکون میں رہتے ہیں "بھیڑ" کا گوشت پیش کیا جائے تو تین ماہ تک "خرگوش" کے گوشت سے چار ماہ تک "بکری" کے گوشت سے پانچ ماہ تک "سور" کے گوشت سے چھ ماہ تک "پرندوں" کے گوشت سے سات ماہ تک "پرشٹا ہرن" کے گوشت سے آٹھ ماہ تک "رُورُو ہرن" کے گوشت سے نو ماہ تک "گوایا" کے گوشت سے دس ماہ تک "بھینس" کے گوشت سے گیارہ ماہ تک اور "گائے" کے گوشت سے پورے ایک سال تک انہیں سکون ملتا ہے، اگر گھی کے ساتھ ملا ہوا "پایس" پیش کیا جائے تو یہ گائے کے گوشت کی طرح اجداد کی روحوں کو سکون دیتا ہے "ودھری ناسا" کے گوشت سے بارہ سال تک اور "گینڈے" کا گوشت قمری تاریخ کے مطابق ان کی برسی میں پیش کیا جائے تو وہ انہیں ہمیشہ راحت و سکون میں رکھتا ہے "کلاسکا" جڑی بوٹی "کنچنہ پھل" کی پتیاں اور "سرخ بکری" کا گوشت پیش کیا جائے تو اس سے بھی انہیں دائمی سکون ملتا ہے۔ [مہابھارت، انوشاسن پرو، باب ۹۹]

مذکورہ اقتباس نے گوشت خوری کے سلسلے میں ہندوؤں کے سارے اعتراضات کی دھجیاں بکھیر دیں جس سے ان کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے آ کر "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور" کی کہانی بیان کر رہا ہے کہ ہندو مذہب میں نہ صرف گوشت خوری کی اجازت ہے بلکہ شرادھ میں گوشت کھلانے سے مردوں کو راحت و سکون ملنے کا تصور بھی موجود ہے۔

اس کے باوجود بھی اگر مسلمانوں کے سر جانوروں پر ظلم و ستم اور بہیمیت و بربریت کا الزام رکھا جاتا ہے تو اسے "دیوانے کی بڑ" کے سوا، اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ گائے سے متعلق ہندوؤں کی "آستھا" کی حقیقت سے بھی پردہ اٹھ گیا کہ اپنے مردوں کی آتما کی شانتی اور ان کے سکون و راحت کے لئے گئو کشی کی جا سکتی ہے، اس کے گوشت کی بوٹی بوٹی کر کھایا اور کھلایا جا سکتا ہے، اس کے چمڑے کی جوتی بنا کر پہنی جا سکتی ہے، یہ نہ تو "گئو ہتیا" ہے نہ اس میں اس کی توہین ہے لیکن اگر زندہ لوگوں کی اچھی خوراک اور اللہ کی دی ہوئی نعمت سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے جائز طور پر یہ عمل اگر مسلمان کریں تو اسے "گئو ہتیا" اور "مذہبی آستھا" کو ٹھیس پہنچانے سے

تعبیر کیا جاتا ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

حقیقت تو یہ ہے کہ اگر گائے سے ان کی کوئی ''مذہبی آستھا'' جڑی ہوتی تو ان کا ''دھرم یودھا'' کسی ''دھرم راج'' کو شرادھ میں گئوکشی اور اس کا گوشت کھلا کر مردوں کی ''آتما کو شانتی'' پردان کرنے کا مشورہ ہرگز نہ دیتا؟ آخر وہ کیسا بیٹا ہوگا جو خود تو ماں کا گوشت کھائے اس کے چمڑے کی جوتی بنا کر پہنے اور اگر دوسرے ایسا کریں تو ان سے یہ کہے کہ یہ ''میری گئو ماتا'' ہے، خبردار جو تو اس کی ''ہتیا'' کی، ہم اس کا ''اپمان'' ہرگز برداشت نہیں کریں گے! کتنی مضحکہ خیز بات ہے یہ، ایسی ''کھوکھلی آستھا'' پہ تو ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

گوشت خوری انسانی فطرت کا تقاضہ ہے، چنانچہ اگر آپ سبزی خور جانوروں کے دانت دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان کے دانت چپٹے ہیں جو سبزی خوری کے لئے موزوں ہیں اس کے برعکس اگر آپ گوشت خور جانوروں کے دانت دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ان کے دانت نوک دار ہیں جو گوشت خوری کے لئے موزوں ہیں لیکن اگر انسانوں کے دانتوں کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوگا کہ ان کے دانت نوکیلے اور چپٹے دونوں ہی طرح کے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ انسان سبزی خوری اور گوشت خوری دونوں کا مصداق ہے، اگر خالق کائنات انسان کو صرف سبزی خور پیدا کیا ہوتا تو اسے نوکیلے دانت کیوں دیتا؟ یہ دونوں ہی قسم کے دانت اس بات کے بین ثبوت ہیں کہ خالق نے انسان کو گوشت اور سبزی دونوں کھانے کا اختیار دیا ہے۔

بعض سبزی خور لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ کسی بھی ذی روح کے قتل کے یکسر خلاف ہیں کیوں کہ ہر جاندار کو جینے اور دنیا میں رہنے کا فطری حق ہے اگر انسان اپنی وقتی لذت کوشی کے لئے انہیں قتل کرتا ہے تو یہ ان کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوگی جو کسی بھی مذہب میں جائز نہیں، چونکہ نباتات میں جان نہیں ہوتی اور نہ وہ توڑنے یا کاٹنے پر درد محسوس کرتے ہیں، اسی لئے ہم سبزی خوری پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

جبکہ اسلام نے اس حقیقت کو ہزاروں سال پہلے اور اب سائنسی تحقیقات نے بھی یہ حقیقت عالمی پیمانے پر ثابت کر دی ہے کہ پیڑ پودوں میں بھی جان ہوتی ہے اور وہ بھی درد محسوس کرتے ہیں، کاٹنے یا توڑنے پر چیختے چلّاتے اور کراہتے بھی ہیں، البتہ انسانی سماعت ان کی چیخ و پکار سننے کی صلاحیت نہیں رکھتی! لہٰذا خالص سبزی خوری کا دعویٰ کرنے والے افراد بھی قتل ذی روح کے جرم سے خود کا دامن نہیں بچا پائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ساگ سبزی میں بھی جان ہوتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کاٹنے پر ان کے پیڑ ہرگز نہ سوکھتے، کاٹنے پر ان کی ہریالی کا ختم ہو جانا، مرجھا جانا اور سڑ جانا اس حقیقت کا غماز ہے کہ ان میں بھی جان ہوتی ہے جنھیں سبزی خور افراد اپنی لذت کوشی کے لئے طرح طرح سے کاٹ چھانٹ اور توڑ مروڑ کر مختلف قسم کی ڈشوں کے مزے اڑاتے ہیں اور دعویٰ ہے کہ ہم کسی ذی روح کو قتل کرنا تو دور انھیں تکلیف بھی نہیں پہنچاتے۔

تو کیا ان ساگ سبزیوں کو موڑ توڑ کر بوریوں میں بھرنے، اِدھر اُدھر سپلائی کے وقت اٹھا اٹھا کر پٹکنے، بناتے وقت ان کے ٹکڑے ٹکڑے اور پرزے پرزے کرنے میں تکلیف نہیں ہوتی؟ کیا یہ ان بے زبانوں پر ظلم و زیادتی نہیں؟

سبزی خوری کی حقیقت سے متعلق ہم ذیل میں ''دی سنڈے انڈین'' کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو سبزی خوری کی پول کھولنے کے لئے کافی ہے ''سلاد سے آپ اپنے دوستوں کا دل نہیں جیت سکتے، جی ہاں آپ سلاد سے دوستوں کو نہیں بہلا سکتے۔

بارٹ اور ہومر سمپسن نے یہ بات طنزیہ لہجے میں اس وقت کہی تھی جب لیزا نے امریکہ کی پسندیدہ غیر فعال فیملی میں سبزی خوری کی بات کی تھی، سبزی خوروں کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے دوستوں کے دلوں کو سلاد سے نہ صرف یہ کہ جیت نہیں سکتے بلکہ خود بھی سلاد کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے۔

کیا کبھی آپ نے ''کڈڈے'' کے نرم ملائم کیک کی طرف بغور دیکھنے کی کوشش کی ہے؟ جس میں دودھ اور دوسرے مقوی مادے بھرے ہوتے ہیں، یہ ایک چھوٹے سے سرخ کور میں لپٹا

ہوتا ہے اور اس کے اوپر یہ لکھا ہوتا ہے کہ ''اس میں کسی بھی طرح کی کوئی نان ویجیٹیرین شئے موجود نہیں۔

زیادہ تر لوگ اس کا نوٹس نہیں لیتے، کھانے کی ایسی بے شمار اشیا بازار میں پائی جاتی ہے، جن پر سبزی خور ذرا بھی شبہ نہیں کرتے، آئس کریم اور اس طرح کی دوسری چیزوں پر غور کیجئے، ان میں نہ صرف انڈے ہوتے ہیں بلکہ ''گلیٹن'' نام کا مادہ بھی ہوتا ہے جو پروٹین کا دوسرا نام ہے اور جسے جانوروں کی ہڈیوں سے نکالا جاتا ہے اور ہاں فرنچ فرائز؟ ایک مرتبہ میک ڈونالڈ نے آلو کو ۹۳ رفیصد گائے کی چربی میں فرائی کیا۔

اسی طرح ناشتے میں ہم جو پنیر لیتے ہیں، اس میں ''رینیٹ'' ہوتا ہے، یہ وہ انجائمس ہوتے ہیں جو بچھڑوں کی پیٹ سے نکالے جاتے ہیں، حلوائی کی دوکان سے آپ جو تازہ مٹھائی گھر لاتے ہیں اور ''بھگوان'' کو بھی نذرانہ چڑھاتے ہیں، وہ مٹھائی ''سلور فوائل'' میں لپٹی ہوتی ہے، جسے مویشیوں کی آنتوں سے بنایا جاتا ہے، کیا اب بھی کوئی کمرے میں سبزی خور بچا ہے؟''

[دی سنڈے انڈین، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۴۷]

ایسے لوگوں کو چاہئے کہ میز، کرسی، الماری، دروازے وغیرہ لکڑی کا کوئی بھی سامان استعمال نہ کریں کیوں کہ اس کے لئے پیڑ کو کئی قسطوں میں مختلف تکالیف سے گزرنا پڑتا ہے، مثلاً پیڑ کاٹنے میں تکلیف، اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں تکلیف، اسے چیرنے میں تکلیف پھر بڑھئی کے ذریعہ تراش خراش اور کیل ٹھوکنے میں تکلیف، ایک بے زبان پیڑ کو اس قدر تکلیفیں دے کر اپنے لئے آرام و آشائش کی چیزیں بنانا کیا اس پر ظلم و زیادتی نہیں؟ کیا ایسے لوگ میز، کرسی یا دیگر لکڑی کی چیزیں استعمال کرنا چھوڑ دیں گے؟ ہر گز نہیں چھوڑ سکتے اور یقیناً نہیں چھوڑ سکتے، تو ظاہر ہے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کا الزام رکھ کر ان سے ایسا مطالبہ کرنا عدل و انصاف سے روگردانی اور بدترین جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

طبی اعتبار سے اگر انسان گوشت استعمال نہ کرے جس کا ہضم ہونا آسان ہے تو اس کے جسم میں قیمتی انجائم پیدا کرنے والی پروٹین Protein ہضم کرنے ہی کے عمل میں ختم ہو سکتی ہے، جس کی وجہ سے جسمانی خلیوں اور دماغی نشو نما کے لئے پروٹین کی کمی واقع ہونے کا امکان قوی ہو جاتا ہے۔

حیاتیاتی اعتبار سے بھی گوشت مقوی اور پروٹین سے بھرپور غذا ہے نیز اس میں جسم کے لئے ضروری کچھ ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو جسم کے اندر نہیں بنتے اس لئے ان اجزا کا حصول گوشت جیسی مقوی غذاؤں سے کیا جاتا ہے۔

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

''کتب حکمت بھی شاہد کہ اصل غذا، انسان کی گوشت ہے، عناصر غذائے نباتات نباتات غذائے حیوانات، حیوانات غذائے انسان اور بے شک اس کے کھانے میں جو منفعتیں اور ہمارے جسم کی اصلاحیں اور ہمارے قویٰ کی افزائشیں ہیں، اس کے غیر سے حاصل نہیں اور مرغوبی کی یہ کیفیت کہ ہر شخص اپنے وجدان سے یہ جان سکتا ہے کہ کیسا ہی لذیذ کھانا ہو، چند روز متواتر کھانے سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے اور زیادہ دن گزریں تو نفرت کرنے لگتی ہے، بخلاف نان گندم و گوشت کہ عمر بھر کھائے تو اس سے تنفّر نہیں ہوتا۔''

[فتاویٰ رضویہ، ۸/۴۴۶]

ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَا اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا یَاْكُلُوْنَ وَلَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا یَشْكُرُوْنَ۔ کیا انھیں نہیں سوجھتا کہ ہم نے اپنی قدرتی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے پیدا کئے تو وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے ان چوپایوں کو ان کا مسخر کر دیا، تو ان میں کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لئے ان میں منافع ہیں اور پینے کی چیزیں، تو کیا شکر نہ کریں گے۔''

[یٰس، ۲۳/۷۱ تا ۷۳]

مذکورہ دلائل و براہین سے حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ گوشت قدرت کی طرف سے ایک بہترین نعمت ہے جو انسانوں کو عطا کی گئی ہے اور دنیا کی تقریباً ساری قومیں اس نعمت عظمٰی سے بہرہ ور ہو رہی ہیں، اس میں کسی بھی طرح کا کوئی گناہ نہیں بلکہ اس سے منھ پھیرنا اور اسے حرام جاننا ''کفران نعمت''

ہے جو غضب الٰہی کا موجب ہے، نیز مذکورہ شواہد کی روشنی میں کسی بھی ذی عقل سے ہندوؤں کے اعتراضات کی ''لایعنیت اور لامعقولیت'' اب پوشیدہ نہیں رہ گئی ہے۔

رہی بات قربانی سے متعلق ہندوؤں کے اس اعتراض کی کہ ''قربانی کے لئے حکم الٰہی محض ایک بہانہ ہے ورنہ یہاں بھی تسکین نفس کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔''

تو اس سلسلے میں صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ جب اسلام نے اپنے پیروکاروں کو عام حالتوں میں گوشت کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے اور وہ ایسا کرتے بھی ہیں تو انھیں مزید اس کے لئے کسی بہانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس حقیقت سے ثابت ہوا کہ یہ اعتراض محض دیوانے کی ''بڑ'' ہے اور کچھ نہیں۔

قربانی ایک عبد کی طرف سے اپنے معبود کی بارگاہ میں پیش کئے جانے والے ایک ایسے نذرانے کی یادگار ہے جس نے ''عبدیت'' کو ''معراج'' عطا کر کے انسان کو عرش و فرش کے لئے قابل رشک بنا دیا، کل تک جو فرشتے انسان کے لئے معبود کی محبت پر جس اولاد کی محبت کے غلبہ کے شاکی تھے، آج وہی فرشتے، اسی باپ کے ہاتھوں، اسی اولاد کی گردن پر چھری چلنے کا منظر دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں۔

تسلیم ورضا کا یہ ایمان افروز منظر دیکھ کر فرشتے حیرت واستعجاب میں پلکیں جھپکانا بھول گئے ہیں، محویت کا یہ عالم ہے جیسے کسی نے یکایک ان کی قوت گویائی سلب کر لی ہو، قدرے توقف کے بعد جب رب جلیل کی طرف ان کی نگاہیں اٹھتی ہیں تو معنی خیز تبسم سے سامنا ہوتا ہے، ندامت کے بوجھ سے پھر نگاہیں جھک جاتی ہیں۔

انسانی بندگی کا یہ انوکھا انداز دیکھ کر فرشتے تو بے ساختہ پکار اٹھے: الٰہی تو نے حق فرمایا تھا جو تو جانتا ہے، ہم نہیں جانتے۔

چونکہ یہاں کمال اطاعت وفرماں برداری اور غایت رضا برضائے الٰہی کا مظاہرہ اور امتحان مقصود تھا لہٰذا بحکم الٰہی چھری نے کچھ کام نہ کیا یہاں تک کہ حضرت اسماعیل کی جگہ ایک جانور لٹا دیا گیا، چھری نے اپنا کام کیا اور وہ جانور ذبح ہو گیا۔

امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں ''اس کی تحریم ہنود کے یہاں دو ہی وجہ سے معقول! ایک یہ کہ جانور کی ناحق ایذا اور ہتیا ہے، ہم کہتے ہیں اکثر اقوام ہنود بکری، مرغی، مچھلی کھاتے ہیں، کیا وہ جانور نہیں؟ کیا ان کی جان، جان نہیں؟ کیا ان کی ایذا حرام نہیں؟ کیا ان کا قتل ''ہتیا'' نہیں؟ اور خود کتب ہنود سے جو رام و لچھمن و کرشن کا شکاری ہونا ثابت، اس ''ہتیا'' کا کیا علاج؟

دوسری وجہ یہ کہ گائے ان کے یہاں معظم ہے اور اپنے معظم کا ہلاک نہیں چاہتے، ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً ''گئو ماتا'' کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان سعادت مندوں کی تعظیم کا حال کھل جاتا ہے، اپنے ہاتھوں چماروں کے حوالے کرتے ہیں کہ چیریں پھاڑیں اور چرسا اپنے لئے ٹھہرا لیتے ہیں کہ کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں، جو جوتوں سے بچی وہ ڈھول پر کھنچی کہ شادی بیاہ میں کام آئے، رات بھر تپا نچے کھائے، ثانیاً بالفرض غلط اگر تعظیم ہے بھی صرف گائے پر مقتصر ہے، ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ ہنود آپ بیل کی ہرگز تعظیم نہیں کرتے بلکہ اس پر سخت تشدد کرتے ہیں، ہل میں جوتیں، گاڑی میں چلائیں، سواریاں لیں، بوجھ لدوائیں، وجہ بے وجہ سخت ماریں کہ جابجا ان کے جسم زخمی ہو جاتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض ہنود نے بار برداری کی گاڑیوں میں اس قدر بوجھ بھرا کہ بیلوں کا جگر پھٹ گیا اور خون ڈال کر مر گئے، تو معلوم ہوا کہ بیل ان کے یہاں معظم نہیں، اگر یہ ممانعت بربنائے تعظیم ہے تو چاہئے کہ بخوشی بیلوں کے ذبح کی اجازت دیں ورنہ ان کا صریح مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔'' [فتاویٰ رضویہ، ۸/ ۴۴۷]

واضح ہو کہ اسلام میں گوشت کھانا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے، کوئی فرض وواجب نہیں اور نبی کی سنت سمجھ کر اسے کھانا باعث اجر وثواب ہے، جبکہ محض نشانہ بازی کے لئے کسی جانور کو ''تختۂ مشق'' بنانا موجب لعنت وعذاب ہے، اس کے برعکس آپ نے گزشتہ سطور میں ملاحظہ فرمایا کہ ''ہندو دھرم'' میں گوشت کھانا واجب وضروری ہے اور نہ کھانا ناجائز وگناہ! مزے کی بات تو یہ ہے کہ ''گائے'' جس کے قتل پر یہ ''بے ہنگم شورو غوغا'' کرتے ہیں، اس کی ''بلی'' چڑھانا، اس کا گوشت کھانا بھی

''انیوار یہ''،یعنی فرض ہے حتی کہ جو پنڈت نہ کھائے اس بیچارے کو''کمینہ اور ذلیل'' تک قرار دیا گیا ہے۔

انگریزی اخبار دی ہندو کے مطابق آج دنیا کے بڑے بیف ایکسپورٹ کرنے والے ممالک میں ہندوستان ''نمبرون'' ملک بن گیا ہے اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان میں ''الکبیر،النور'' جیسے جتنے بڑے سلاٹرز ہاؤس ہیں سب کے سب ہندوؤں کے ہیں اور بہت سے ہندو شوق سے بیف کھاتے بھی ہیں۔

چنانچہ روزنامہ ٹیلی گراف نے لکھا ہے کہ کیرالہ کی مشہور بیف کری ایک پریشان کرنے والی ہڈی ہے جو سنگھ خاندان (شدت پسند ہندو گروپ) کے حلق میں پھنس گئی ہے کیونکہ خاص طور پر ریاست کے کئی ہندو اِس ڈش کے خوب مزے اُڑاتے ہیں۔

مذکورہ سطور نے یہ بات واضح کردی کہ یہ سارے اعتراضات محض اسلام دشمنی کی پیداوار اور عالمی سطح پر اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف ہونے کا شاخسانہ ہے ورنہ سچی بات تو یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کی سبھی نوع بنوع مخلوقات کو انسانوں کی راحت وآشائش اور ضرورت کے مطابق استعمال کے لئے پیدا کیا ہے اور ہر مخلوق کے بنیادی حقوق متعین کر کے انسانوں کو ان کی رعایت کا پابند کیا ہے، نیز ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو حقوق العبد کے تحت گنہگار قرار دیا ہے۔

چنانچہ اسلام نے دیگر مخلوق کے ساتھ ساتھ جانوروں کے بھی متعدد حقوق متعین کئے ہیں، مثلاً انہیں پالنے کے حقوق، ان سے کام لینے کے حقوق اور بوقت ضرورت انہیں مختلف شکلوں میں استعمال کے حقوق بھی واضح فرمادیئے ہیں نیز ان کی بھوک، پیاس کا خیال رکھنے، انہیں سائے میں باندھنے، ان پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادنے اور دیگر سبھی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کی واضح لفظوں میں تاکید کی ہے حتی کہ ان کی گردن میں ڈالی جانے والی رسّی کیسی ہو، کتنی لمبی ہو اس کی بھی تفصیل بیان کردی ہے۔

اسلام نے بوقت ضرورت صرف مخصوص جانوروں کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے لئے مسلمانوں کو آزاد نہیں چھوڑا کہ ان کے درد وتکلیف کا خیال کئے بغیر جیسے چاہیں کاٹیں اور استعمال کریں بلکہ انھیں ایسے طریقہ کا پابند کیا ہے جس میں جانوروں کو کم سے کم تکلیف کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ جانور ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ:

(۱) سب سے پہلے چھری تیز کرلی جائے۔

(۲) ذبح کے وقت جانور کا منھ قبلہ کی طرف کر کے لٹایا جائے۔

(۳) پھر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر حلق اور لبّہ کے مابین چھری چلائی جائے۔

(۴) ذبح میں ان چار رگوں کو ضرور کاٹا جائے، پہلی ''حلقوم'' جس سے سانس آتی جاتی ہے، دوسری ''مری'' جس سے کھانا پینا نیچے اترتا ہے، تیسری اور چوتھی ''دوجبین'' رگیں جو ان دونوں کے اغل بغل واقع ہیں جن میں خون کی روانی ہوتی ہے، مگر گردن الگ نہ ہونے پائے۔

(۵) ذبح کے وقت ہر اس فعل سے اجتناب کیا جائے جس سے جانور کو بے جا تکلیف ہو، مثلاً ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا یا اس کے اعضا کاٹنا، جانور کے سامنے یا اسے مذبح میں لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا، کند چھری سے ذبح کرنا، جانور کو گھسیٹتے ہوئے مذبح میں لے جانا وغیرہ۔

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ میڈیکل سائنس کے لحاظ سے بھی حفظان صحت کے لئے بہتر ہے کیوں کہ اس طریقے میں گردن کا وہ حصہ جس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی سے ہوتا ہے، نہیں کاٹا جاتا یعنی گردن الگ نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے جسم کا سارا خون اور اس میں موجود بیکٹیریا جیسے زہریلے جراثیم باہر نکل جاتے ہیں جو مختلف بیماریوں کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں، اس طرح گوشت بیماریوں سے محفوظ اور زیادہ دیر تک تروتازہ رہتا ہے۔

اگر ریڑھ کی ہڈی والا حصہ ذبح کے ساتھ ہی کاٹ دیا جائے تو سارا خون نکلنے سے پہلے ہی جانور مرجائے گا اور خون اس کے جسم ہی میں جم کر رہ جائے گا جس سے گوشت کے نقصان دہ ہونے کا امکان قوی ہوجاتا ہے۔

واضح ہو کہ مسلمان حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر سبھی جانوروں کا گوشت نہیں کھاتے کیوں کہ انسان جو کچھ (بقیہ ص ۲۵ پر)

قرآن وحدیث کی روشنی میں

# والدین کے ساتھ حسن سلوک

از مفتی محمد شعیب رضا نعیمی قادری *

..... گزشتہ سے پیوستہ .....

۵۰_وأخرج ابو يعلى عن نعيم مولى أم سلمة رضى الله تعالى عنها حاجًا حتى كان بين مكة والمدينة أتى شجرة فعرفها فجلس تحتها، ثم قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تحت هذه الشجرة اذا اقبل رجل شاب من هذه الشعبة حتى وقف على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله انى جئت لأجاهد معك فى سبيل الله أبتغى بذالك وجه الله والدار الآخرة فقال أبواك حيان كلاهما؟ قال: نعم، قال: فارجع فبرهما فانفتل راجعا من حيث جاء۔ (حياة الصحابة) یعنی ابو یعلی نے نعیم مولی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث لی ہے، نعیم مولی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حج کرنے کے لیے نکلے مکہ و مدینہ کے بیچ تھے ایک درخت کے پاس آئے اس درخت کو پہچان لیا، اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے پھر نعیم مولی ام سلمہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا اچانک ایک نوجوان اس وادی سے آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کروں، اس کے ذریعہ اللہ کی رضا حاصل کروں اور دار آخرت کو حاصل کروں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تیرے دونوں کے دونوں ماں باپ زندہ ہیں اس نے کہا ہاں زندہ ہیں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ جا ان کی خدمت کر وہ شخص جہاں سے آیا تھا اسی طرف چلا گیا۔

۵۱_وأخرج الطبرانى عن أبى أمامة رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تجهزوا الى هذه القرية الظالم أهلها فإن الله فاتحها عليكم ان شاء الله بحي عيبر ولا يخرجن معي مصعب (المصعب: من كان بعيره صعبا غير منقاد ولا ذلول.) ولا مضعف (المضعف: من كانت دابته ضعيفة) فانطلق ابو هريرة رضى الله عنه الى أمه فقال: جهزيني فان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قد أمر بالجهاد للغزو. فقالت: تنطلق وقد علمت ما ادخل الا وانت معي؟ قال: ما كنت لا تخلف عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. فأخرجت ثديها فناشدته بما رضع من لبنها، فأتى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم سرا فأخبره فقال: انطلق فقد كفيت. فجاء ابو هريرة فاعرض عنه رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم. فقال: يا رسول الله أرى اعراضك عنى لا أرى ذلك الا لشيء بلغك، قال: أنت الذى تعاهدك امك وأخرجت ثديها تناشدك بما رضعت من لبنها أيحسب أحدكم اذا كان عند ابويه أو أحدهما انه ليس فى سبيل الله؟ بل هو فى سبيل الله اذا برهما وادى حقهما. فقال ابو هريرة: لقد مكثت بعد ذلك سنتين ما أغزو حتى ماتت. فذكر الحديث. (۵۱ حياة الصحابة) لايقدر أحد أن يجاري امه مهما فعل. یعنی طبرانی نے اس حدیث کو ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان ظالم گاؤں والوں کی طرف جہاد کی تیاری کرو بیشک اس گاؤں کو اللہ تم پر فتح فرمائے گا یعنی خیبر کو ان شاء اللہ اور میرے ساتھ وہ شخص نہ نکلے جس کی سواری فرمانبردار نہ ہو اور وہ نہ نکلے جس کی سواری کمزور ہو۔ (بقیہ ص ۳۰ پر)

* مفتی صاحب حضور تاج الشریعہ کے فرزند نسبتی اور مرکزی دار الافتاء کے نائب صدر مفتی تھے۔

پیشکش: شہزادۂ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ ابو حسام محمد عسجد رضا خان قادری بریلوی

# اقسامِ علم اور ان کے احکام

گزشتہ سے پیوستہ

یا دل کے برے حالات ہوں جیسے مفلسی کا خوف اور تقدیر پہ خفا ہونا، کینہ رکھنا، حسد کرنا، برتری کی طلب، خواہش ثنا، دنیا میں مزے اڑانا، زیادہ جینے کی محبت، کبر، جمود، غصہ، شیخی مارنا، عداوت، بغض و طمع، بخل، حرص و تکبر، اترانا، توانگروں کی تعظیم، فقیروں کی توہین کا خواہاں ہونا، فخر اور کسی امر میں ایک دوسرے پہ بڑائی۔

حق بات سے تکبر کرنا، بے فائدہ امر میں غور و خوض کرنا، زیادہ گفتگو کرنے کی محبت، دوسرے کی کھلکھتی بات کہنا، لوگوں کے لئے بن سنور کر نکلنا، دین میں سستی کرنا، اپنے نفس کو بڑا جاننا اور اس کی برائیوں سے غافل ہو کر لوگوں کی عیب جوئی کرنا اور دل سے فکر کا دور ہونا، خوف الٰہی کا دل سے جاتا رہنا اور جب نفس کو ذلت پہنچے، تو اس کا بدلہ سختی سے لینا اور حق بات کے اہتمام پر ضعف اور باطن کی عداوت کے لئے ظاہری یار و مددگار رہنا اور عذاب خدا سے بے خوف ہونا (کہ جو کچھ اس نے دیا ہے کہیں چھین نہ لے) اور طاعت پر بھروسہ کرنا اور مکر اور خیانت اور فریب اور زیادہ جینے کی توقع اور سخت دلی اور سخت کلامی اور دنیا سے خوش ہونا اور اس کی جدائی سے غم کرنا اور مخلوق سے انس کرنا اور ان کی علٰحدگی سے وحشت کرنا اور ظلم کرنا اور ہلکا پن اور جلدی کرنا اور حیا اور رحم کا جس میں یہ امور ہوں سمجھ لیں، وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے کیوں کہ یہ تمام عادتیں دل کے صفات میں سے تمام برائیوں اور اعمال بد کی جڑ ہیں اور ان کے مقابل یعنی اچھی عادتیں وہ طاعات اور اجر و ثواب کی اصل ہیں، غرضیکہ ان صفات کی تعریفوں اور حقیقتوں اور اسباب و ثمرات اور علاجوں کو معلوم کرنا علم آخرت ہے اور علمائے آخرت کے قانون پہ یہ علم فرض عین ہے، پس جو شخص ان سے منہ موڑے گا وہ آخرت میں قہر بادشاہ حقیقی سے ہلاک ہوگا، جس طرح کہ اعمال ظاہری سے روگردانی کرنے والا شاہان دنیا کی تلوار سے فقہائے دنیا کے فتوے کے مطابق ہلاک ہوتا ہے۔

**خلاصہ:** یہ کہ فقہا کی نظر فرض عین امور میں دنیا کی بہتری کی نسبت کم ہوتی ہے اور یہ علم جو ہم نے ذکر کیا آخرت کی بہتری کی نسبت سے ہے، اگر کسی فقیہ سے ان باتوں میں سے ایک بھی بات مثلاً توکل یا اخلاص کو پوچھو یا سوال کرو کہ ریا سے بچنے کی کیا صورت ہے تو اس سوال کے جواب میں فقیہ توقف کرے گا حالانکہ یہ بات خود اس پہ بھی فرض عین ہے کہ اس کے نہ معلوم کرنے میں آخرت میں اس کی بربادی ہے، اگر اس لعان اور ظہار اور گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کا مسئلہ دریافت کرو تو تمہارے سامنے اس کے فروعات دقیق کے دفتر کے دفتر بیان کر دے گا کہ صدیوں تک ان میں سے کسی کی ضرورت نہ ہو اور اگر حاجت بھی پڑے تو کوئی شہر اس کے بتانے والے سے خالی نہ ہوگا اور فقیہ مذکور کی محنت رائیگاں سمجھی جائے گی جو کہ رات دن اس فروعات میں اور ان کے یاد کرنے اور پڑھانے میں مشقت اٹھاتا ہے اور جو امر خاص اس کے لئے ضروری اور دین میں اہم ہے، اس سے غافل ہے اور اگر اس پہ کوئی اعتراض کرتا ہے تو جواب دیتا ہے کہ میں اس علم میں اس لئے مشغول ہوں کہ یہ علم دین ہے اور فرض کفایہ ہے۔

اس دھوکے میں آکر فقیہ سیکھتا ہے اور دوسروں کو دھوکا دیتا ہے حالانکہ عاقل انسان جانتا ہے کہ اگر اس کی مرضی یہی ہوتی کہ فرض کفایہ میں حق الامر ادا کرے تو فرض کفایہ میں فرض عین کو مقدم کرتا ہے بلکہ فرض کفایہ تو اور چیزیں بھی ہیں، ان کو فقیہ پہ مقدم کرتا ہے کیوں کہ بعض شہر ایسے ہیں کہ ان میں طبیب بجز کفار ذمی کے نہیں اور جو احکام فقہی طبیبوں کے متعلق ہیں، ان میں کفار کی شہادت مقبول نہیں، مگر باوجود اس کے طب کو نہیں سیکھتا (بقیہ ص ۳۰ پر)

از: ابوالمعانی حضرت علامہ ابرار حسن صدیقی تلہری علیہ الرحمہ*

# انسانی فطرت اور گوشت خوری

قند مکرر کے عنوان سے ایک نئے کالم کا آغاز کیا جا رہا ہے، جس کے تحت حالات کے موافق اور افادیت سے بھرپور اکابرین اہل سنت کی قدیم تحریریں دوبارہ شائع کی جائیں گی، اس شمارے میں ماہنامہ "یادگار رضا" بریلی شریف کے ایڈیٹر ابوالمعانی حضرت علامہ مفتی ابرار حسن تلہری علیہ الرحمہ کی اور تحریر شائع کی جاری ہے جو "انسانی فطرت اور گوشت خوری" کے عنوان سے ماہنامہ یادگار رضا بریلی شریف بابت ماہ شوال المکرم ۱۳۴۵ھ کے صفحات پر آج بھی اپنی اہمیت وافادیت کی خوشبو بکھیر رہی ہے، تحریر پڑھ کر بے اختیار زبان سے نکلتا ہے ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی {فاروقی}

آج جہاں اسلام اور اہل اسلام پر ہنود اور خصوصاً آریہ اپنی ناعاقبت اندیشی سے طرح طرح کے محض باطل اور جاہلانہ اعتراض کرتے ہیں، وہاں وہ اپنی کوتاہ بینی سے مسلمانوں پر بہیمیت و بربریت کا بھی الزام لگاتے ہیں کہ مسلمان اپنی خواہشات ولذات نفسانی کی خاطر خدائے برتر کی ہزاروں ذی روح مخلوق کی جانیں تلف کر کے ان کا گوشت کھاتے اور اپنے نفس کو موٹا بناتے ہیں جو انتہائی بے رحمی اور سفا کی ہے، حالانکہ یہ بات آفتاب نصف النہار کی مثل آشکار وہویدا ہے کہ مسلمان مردار اور ان جانوروں کا گوشت کھانے سے سخت اجتناب کرتے ہیں، جن میں خصائل ذمیمہ شرعاً وعقلاً وعرفاً ثابت کی گئی ہیں، ان کے مذہب مہذب کی صحیح سچی تعلیمات ان کو متنبہ کرتی ہیں اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں کہ جو جانور خدا کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ہو، جس جانور کی قربانی خدا کے لئے نہ ہوئی ہو وہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام، اسی طرح وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جس جانور میں کسی ناپا کی یا کسی خوبی بد کا شائبہ بھی ہے تو وہ نہ تو نذر خداوندی ہی کے قابل ہے اور نہ ہی اس کا کھانا جائز ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ معترضین کے خیال خام کے موافق اگر مسلمان اس ایذا رسانی کو اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے ہی کی غرض سے روا رکھتے تو وہ کون سی طاقت تھی جو مسلمانوں کو سؤر، گدھے، اُلّو اور کتّے وغیرہ کے کھانے سے باز رکھتی ہے ان کو صرف اسی خیال نے باز رکھا کہ یہ اپنی نجاست اور عادات قبیحہ کی وجہ سے نہ تو اس قابل ہیں کہ انکو اس پاک معبود کی راہ میں قربان کیا جائے اور نہ اپنی خباثت کی بنا پر اس لائق ہیں کہ ان کو کھایا جائے، وہ ادنیٰ تامل میں عقل سلیم کی رہبری سے اس صحیح نتیجہ پر پہنچ گئے اور ان کے اس مشاہدہ اور ذاتی تجربہ نے جو کہ حد تواتر کو پہنچ چکا ہے، اس امر پر حکم جازم لگا دیا کہ اگر وہ بھی سور یا ان جانوروں کا گوشت کھانے کے عادی ہو جائیں جن کے اندر عادات خبیثہ اور بے غیرتی و بے حیائی کا عنصر موجود ہے تو ان کے اندر بھی لازماً انھیں جیسی بے غیرتی و بے حیائی پیدا ہو جائے گی۔

اس حقیقت سے کون خبردار نہیں کہ اگر سؤر کسی کو اپنی مادہ کے ساتھ جفتی کھاتے دیکھتا ہے تو اس کو اس کی اصلاً پرواہ نہیں ہوتی، حیا کا فقدان اس کو ہرگز جذبہ انتقام پر آمادہ نہیں ہونے دیتا، اسی طرح اگر انسان بھی سؤر خوری شروع کر دے تو کیا اس کے اندر سے حیائے انسانی کا خاتمہ نہ ہو جائے گا؟ اور کیا اس کو اپنی بہو بیٹی کی غیرت باقی رہ جائے گی؟

ہم نے یہ جو کچھ بھی لکھا ہماری جولانی طبع اور جدت تخیل کا نتیجہ نہیں بلکہ اس امر پر ہمارا ذاتی تجربہ شاہد ہے اور ہم کو اغذیہ وادویہ کا استعمال اور ان کی نفوس انسانی میں تاثیرات بتاتی ہیں کہ ایک انسان اغذیہ وادویہ کے استعمال سے انھیں اثرات کا حامل ہو جاتا ہے جن اثرات کو قدرت نے ان اغذیہ وادویہ مستعملہ کے اندرو دیعت فرمادیا ہے تو پھر سور کھا کر سؤر جیسے خصائل قبیحہ کا پیدا ہو جانا اس تجربہ کی بنا پر بعید از امکان نہیں۔

اسی خیال سے مسلمانوں نے نہ صرف سؤر بلکہ اس جانور کا بھی گوشت کھانے سے اجتناب کلی رکھا جس پر ان کی شریعت قادسہ

*مضمون نگار ماہنامہ یادگار رضا، بریلی شریف کے ایڈیٹر اور مرکز اہل سنت کے ایک معتبر مفتی تھے۔

نے حرمت اور نجاست کا حکم صادر فرما دیا ہے اگر چہ انھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ افراد انسان ہی میں سے بعض افراد سؤر وغیرہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر برغبت کھاتے ہیں مگر دوسری قوموں کی طرح مسلمان مطلق العنان ہو کر اپنی شریعت حقہ کے حکم کے خلاف ہرگز حرام خوری پر آمادہ نہ ہوئے، اگر مسلمان نفس پروری کرتے اور مبتلائے خواہشات نفسانی ہوتے تو سؤر، کتے، بندران مفت کے جانوروں پر اپنا ہاتھ کیوں نہ صاف کرتے؟

ہمارے اس بیان سے صاف کھل گیا کہ مسلمانوں کے دامن پر گوشت خوری کی آڑ میں بہیمیت وبربریت کا دھبہ لگانا اور اپنی لذّات وخواہشات نفسانی کے لئے بے زباں جانوروں کو ایذا رسانی سے تعبیر کرنا عقل وخرد سے محرومی اور بغض وعناد کی آگ میں جلنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ ہم آگے چل کر اس امر کو ناقابل انکار دلائل وبراہین سے ثابت کریں گے کہ گوشت جو خدائے برتر کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کو نعمت سمجھ کر نہ صرف کھانا ہی اچھا ہے بلکہ اس امر پر انسان کی وضع خلقی شاہد ہے کہ گوشت خوری انسانی فطرت میں داخل ہے۔

معترضین کے پاس لے دے کر صرف یہی ایک دلیل ہے کہ بظاہر جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ظلم کسی مذہب میں جائز نہیں، کھانے والے صرف اپنا دل خوش کرنے کی خاطر ایک جاندار مخلوق پر اس قدر ظلم وستم روا رکھتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔

حقیقۃً یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جو تھوڑی دیر کے لئے کسی بھی عقلمند آدمی کو جادۂ عقل سے پرے کر دینے کے لئے کافی ہے مگر ادنیٰ سی غور وفکر کے بعد اس مغالطہ کا ازالہ کیا جا سکتا ہے کہ آج دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں جس میں بکثرت گوشت کھانے والے موجود نہ ہوں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جس بات کو عقلائے زمانہ جمہوریت واکثریت کے لحاظ سے اختیار کرتے ہیں وہی بات حق ہوتی ہے۔

یہ ایک ایسا مسلمہ کلیہ اور ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس سے روگردانی نہ کرے گا مگر معاند، ہم اس کلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جب اس مسئلہ پر نظر غائر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت بے نقاب ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ جب دنیا کی ساری اقوام بلکہ ہندؤں میں سے بھی اکثر وبیشتر قومیں گوشت کھانے کی نہ صرف عادی بلکہ دلدادہ ہیں تو پھر اہل ہنود کا گوشت کھانے کو ظلم اور کھانے والوں کو ظالم سمجھنا حقیقت سے چشم پوشی اور کھلا عناد نہیں تو اور کیا ہے؟ معترضین کا یہ قول کہ ”جانوروں کو ذبح کرنا بظاہر ظلم معلوم ہوتا ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم کا معنی صرف ایذا رسانی ہی نہیں (اور اگر ظلم کا استعمال اس معنی میں کیا جائے تو ہر موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ کا مارنا بھی ظلم اور حرام ٹھہرے گا حالانکہ ہر ملت اور ہر مذہب بلکہ ہر کس وناکس کے نزدیک بالاتفاق موذی جانوروں کا قتل کرنا جائز ہے اس کو کوئی بھی کم عقل ناجائز وحرام یا ظلم سے تعبیر نہیں کرتا) بلکہ ظلم کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی دوسرے کی چیز کو اس کی بلا اجازت اپنے تصرف میں لایا جائے، اگر چہ وہ کتنی ہی معمولی بلکہ محض ناکارہ ہی کیوں نہ ہو، اپنی چیز میں ہر وقت اور ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے اور بدیہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے وقت اپنی گراں بہا اور زریں پوشاک کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس سے کھانا پکا لے یا بلا ضرورت بھی تلف کر دے تو اسے کوئی بھی کم عقل ظلم سے تعبیر نہیں کرے گا لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے کا ایک معمولی کپڑا بھی لے کر چولہے کی نذر کر دے تو ہر کس وناکس کے نزدیک ظالم ٹھہرے گا۔

الغرض ہر وہ شئے جو بیع وشرا یا دیگر جائز طور پر ہماری ملکیت میں آئے تو ہم کو مالک ہونے کی حیثیت سے اس میں ہر طرح اور ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور اس میں سر مو ظلم کا شائبہ تک نہیں تو وہ خدائے برتر وبالا جو جملہ زمین وآسمان اور سارے جہان کا خالق ومالک حقیقی ہے اگر انسان اشرف المخلوقات کو اپنی مخلوق ومملوک گائے بکری وغیرہ کے کھانے کا حکم دے تو یہ بہر حال اس کا عدل وانصاف ہے اور اگر انسان بھی بنظر تعمیل حکم خداوندی ان کا گوشت کھائے اور مزے اڑائے تو اس پر بھی کچھ الزام نہیں۔

اگر یہاں پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ”خدا کے یہاں سے ایسا نازیبا حکم جو سراسر وحشت وبربریت پر مبنی ہو، ہرگز نہیں آسکتا، جس طرح کہ انسان خدائے عادل کی مخلوق ہے اسی طرح گائے

اور بکری وغیرہ بھی اسی کی مخلوق ہیں، عقل سلیم اور طبع مستقیم اس امر کی نافی ہے کہ تمام مخلوق کا مالک وخالق ماں باپ سے زیادہ اپنی ساری مخلوق پر مہربان، اپنی مخلوق میں سے ایک مخلوق کی خوشدلی اور اہتمام لذات نفسانی کی خاطر اس کو دوسری جاندار مخلوق کے ذبح کرنے اور کھانے کا حکم دے جو اس کے عدل وانصاف کے منافی اور ظلم وستم کے مترادف ہے۔"

تو اس اعتراض کا جواب ہمارے بیان سابق ہی سے مل سکتا ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہم اس سطحی اعتراض کا قلع قمع کرنے کی غرض سے ایک دوسرا مدلل جواب حوالۂ قلم کرتے ہیں۔

اگر مسلمان آدم خوری کو جائز وحلال بتاتے اور خود بھی مردم خوری کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی اس امر کے ملتجی ہوتے ہیں جس طرح کے وہ گائے اور بکری کو حلال جان کر خود بھی کھاتے اور دوسروں سے بھی اس بات کے متمنی رہتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے ہم مشرب وہم پیالہ ہو کر اس خداداد نعمت سے لذت اندوز ہوں اور پھر ہندو کسی امر سے خائف ہو کر ایسا کہتے تو ہمیں اس کے تسلیم کر لینے میں اصلاً کوئی تکلف نہ ہوتا اور ہم بلا خوف لومۃ لائم بانگ دہل یہ کہنے کے لئے تیار ہو جاتے کہ بے شک ہندو بے چارے حق بجانب ہیں ہرگز خدائے کریم اپنے بندوں کو ایسا نازیبا حکم نہیں دیتا۔

لیکن جب یہ امر مسلم ہو چکا کہ انسان نہ صرف بہائم بلکہ خدائے برتر کی تمامی مخلوق سے اشرف واعلیٰ ہے گائے اور بکری وغیرہ شرافت اور بزرگی میں انسان کے ہم سنگ پاسنگ بھی نہیں تو اس صورت میں اگر خدائے حکیم نے اشرف واعلیٰ کو ادنیٰ اور کمتر کے استعمال میں لانے اور نہ صرف بلا وجہ بلکہ ان کا گوشت کھا کر فائدہ اٹھانے اور اس عطائے نعمت پر توفیق شکر عطا فرمانے کی جہت سے ذبح کرنے کا حکم دیا تو کیا ستم کیا؟

کیا معترضین کو اس بداہت سے بھی انکار ہوگا کہ دنیا میں اعلیٰ کے لئے ادنیٰ کا استعمال میں لانا دستور عام ہے اگر معترضین کائنات عالم پر متجسسانہ نظر ڈالیں تو ان کو اس قسم کی صدہا جیتی جاگتی مثالیں نظر آئیں گی، اس سے کون واقف نہیں کہ ایک انسان کی پوشش کی غرض سے نہایت ہی بیش بہا کپڑے کے ٹکڑے اور پارچے کر کے پوشاک تیار کی جاتی ہے، بقائے نفس انسانی کی خاطر ہزاروں من گیہوں پیس کر سرمہ سا کر دیئے جاتے ہیں تا کہ ہم ان سے حلوے اور روٹیاں بنائیں، کھائیں اور لطف سے زندگی بسر کریں، ایک بلند وبالا مکان اور ایک عشرت کدہ کی تعمیر کی خاطر گراں بہا اور بیش قیمت پتھر سنگ موسیٰ، سنگ مرمر کو توڑ، پھوڑ، گڑھ کر لگاتے ہیں صدہا بے زبان درختوں کو جڑ سے کاٹ کر چیرتے، ان سے کڑیاں اور تختے نکالتے اور مکان میں ڈالتے ہیں۔

جب انسان کو اشرف واعلیٰ سمجھا جب ہی تو گیہوں وکپڑے پر، بیش قیمت اور بے زبان شجر وحجر پر اس کے استعمال میں لانے کی خاطر یہ ظلم وستم روا رکھا بلکہ اس صورت میں جبکہ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا مسلم اور اطبائے عالم کا اس پر اتفاق کہ گوشت انسان کے لئے بغایت درجہ سودمند ہے اور پھر بھی وہ حکیم مطلق انسان کو گوشت کھانے سے منع کرے اور حکم نہ دے تو یہ اس کی حکمت کے منافی ہے۔

حکمت وشفقت ورافت خداوندی کا تقاضا ہے کہ ہر وہ شئی کہ جس میں خیر کثیر ہو جس کے استعمال میں بلا شبہ بندوں کا مفاد ہو، اس سے اپنے بندوں کو بہرہ اندوزی کا موقع دے اور بندوں کی بھی یہ شان ہونا چاہئے کہ جب وہ اس کے رشتۂ عبودیت میں منسلک ہیں جب انھوں نے اپنی حیات مستعار کے عزیز ترین لمحات کو، اپنے ہر حرکت وسکون کو وقف رضائے رب کریم بنا رکھا ہے اور جب وہ اس کے اوامر ونواہی پر عمل پیرا ہونے کو اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں تو اس عطائے نعمت پر، اس رافت وشفقت پر اس خالق ارض وسما کی بارگاہ بے نیاز میں اپنی نیاز آگیں جبین عبدیت جھکا کر ہدایائے تشکر وامتنان پیش کرتے ہوئے اس کو قبول کریں کہ اس کا قبول نہ کرنا شیوۂ عبدیت کے خلاف اور ان جذبات عشق ومحبت کے منافی بلکہ سرکشی اور بغاوت کے مترادف ہے جن کو انھوں نے اپنے شرر فشاں سینوں میں زینت کاشانۂ دلی بنانے کی خاطر، گوشۂ دل میں اس واحد و یکتا معبود ومسجود کی روح پرور یاد قائم وبرقرار رکھنے کی خاطر دبا دبا کر رکھا ہے۔

وہ لامتناہی جذبات عبودیت جن کا قلوب کی تنگ فضا میں کیف آگین تلاطم وارتعاش چپکے چپکے سبق آموز اعتراف ربوبیت

ہو کر غفلت شعار انسان کو ہر لحہ وہر آن اس واحد قدوس کی جناب میں نہ صرف سر نیاز خم کرنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ وہ ملک دل جو ان کے قبضۂ اقتدار میں ہے اور جوان کا مسکن اور مستقر ہے اس کے خلائے موہوم میں صہبائے عبدیت سے مخمور ہو کر ان کا مستانہ تحرک و اضطراب اس کو ارتعاش استمراری اور ہمیشہ سر بسجود رہنے کی دعوت دیتا ہے۔

میں اس موقع پر معترضین سے یہ استفسار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ایک بادشاہ مجازی جس کے قبضۂ اقتدار میں نہ صرف عنان مملکت وحکومت ہی ہو بلکہ اس کو ایک طبیب ماہر وحاذق ہونے کا فخر بھی حاصل ہو وہ اپنے ایک ادنیٰ محکوم کو جس کی گردن میں اس کی محکومیت اور غلامی کا قلادہ آویزاں ہو، وہ بادشاہ اس کی کیفیات مزاجی سے مطلع ہو کر اس کی مضرت ومفاد کا احساس کرتے ہوئے اپنے مراحم خسروانہ اور نوازشہائے شاہانہ کی بنا پر ایک خوش رنگ اور خوش مزہ سیب عنایت فرما کر اس کے کھانے کا حکم دے اور وہ حماقت مآب اور سفاہت کیش محض اس خیال سے کہ یہ عطیۂ شاہانہ ہے اگر میں اس کو کھاؤں گا تو اس کی ہیئت اصلی فنا ہو جائے گی یہ خوش رنگ اور حسین سیب چاقو یا چھری کی قطع وبرید سے پارہ پارہ ہو جائے گا، حلق سے اتر کر معدے میں پہنچے گا، کیموس وکیلوس کے طبخ اوّل وثانی کے بعد فضلہ رویہ بن کر ہر طرح قابل اخراج ہوگا، انکار کردے اور نہ کھائے بلکہ اپنی حماقت کا مزید ثبوت یہ دے کہ اس کو الٹا واپس کردے تو کیا وہ مورد عتاب شاہی نہ ٹھہرے گا؟ اور کیا وہ عدم تعمیل فرمان شاہی کے الزام میں قابل صد نکوہش نہ ہوگا؟

ہاں ہوگا اور ضرور ہوگا اس لئے اس نے ''کفران نعمت الٰہی'' کا ارتکاب کیا اس کا تو فرض تھا کہ وہ اس عطیۂ شاہی کا نہایت احترام کے ساتھ خیر مقدم کرتا اس کو بوسۂ نیاز دے کر آنکھوں سے لگا تا سر پر رکھتا، تعمیل فرمان شاہی اور اپنا فریضہ محکومیت ادا کرنے کی خاطر بصد احترام کھاتا اور شکر نعمت بجالاتا کہ اسی میں اس کی سعادت بھی تھی اور یہی امر بادشاہ کی خوشنودی مزاج کا باعث بھی، تو وہ بادشاہ حقیقی اور وہ خدائے قادر وقہار جس کی پر ہیبت وپر جلال اور غیر فانی حکومت نہ صرف انسان بلکہ جملہ کائنات عالم کو مستولی اور محیط ہے وہ گوشت جیسی مفید ترین نعمت عظمیٰ کو اپنے اضعف بندوں پر اپنی رافت وشفقت سے حلال وجائز فرما کر اس کے کھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم دے اور وہ اسے ظلم وستم، وحشت وبربریت پر محمول کرتے ہوئے اس حکیم مطلق کے اس حکمت بھرے فرمان کی مخالفت کرے تو کیا یہ امر مورد قہر خداوندی ہونے کا موجب نہیں؟ اور کیا یہ امر اس خدائے ذوالجلال کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوسکتا ہے؟ ہر گز نہیں، اگر یہ ظلم ہے تو دوسری قومیں بھی اس ظلم کی مرتکب ہیں۔

سطور بالا سے یہ حقیقت مہر نیم روز کی مثل منکشف ہوگئی کہ گوشت بلا شبہ حلال ہے اور اس کا ترک کردینا نہ صرف خدائے برتر کی ایک نعمت سے محروم ہونا ہے بلکہ از خود مورد عتاب الٰہی بننا ہے، یہی سبب ہے کہ دنیا میں جس قدر ادیان ومذاہب ہیں ان میں کوئی بھی مذہب ایسا نہیں ملے گا جس میں کثرت سے گوشت خوری کا رواج نہ ہو، اور ہنود میں تو اکثر وبیشتر ایسی قومیں ہیں جو نہ صرف خود ہی گوشت خوری کی عادی ہیں بلکہ ان کے نزدیک تو یہ فعل اس درجہ جائز ومستحسن ہے کہ وہ اپنے معبودوں، دیویوں اور دیوتاؤں پر بھی بکروں کو بھینٹ چڑھاتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر اس کو اچھا نہ سمجھتے تو اپنے معبودوں کے لئے ایسا ہر گز نہ کرتے اور اگر اس میں ظلم وستم کا شائبہ بھی ہوتا تو اس ناجائز وحرام فعل کو اپنے معبودوں کی خوشنودی کا آلۂ کار کیوں بناتے؟

مسئلہ گوشت خوری کی آڑ میں مسلمانوں کے سر ایذائے ذی روح کا ناپاک الزام رکھنے والے ہنود اور ان سنگٹھنی آریوں سے میرا یہ سوال ہے کہ اگر گوشت کھانا ایذائے ذی روح کے خیال سے ظلم وستم اور وحشت وبربریت کے مترادف ہے تو بے زبان جانوروں پر بجبر سوار ہونے، ان کو یکہ گاڑی فٹن میں چلانے، ان پر بوجھ لادنے، ان کی اس فطری آزادی کو جو قدرت نے ان کو دے رکھی ہے ان سے سلب کر کے ان کو مقید ومحبوس کرنے میں کیا ایذائے ذی روح متصور نہیں؟

بدیہی بات ہے کہ اگر قتل نفس گناہ کبیرہ ہے تو زدوکوب کرنا اور بجبر مقید ومحبوس رکھنا بھی ہر گز مورث ثواب نہیں ہوسکتا تو اس معنی کر جب وہ خود ان امور سیئہ کے ہر لحہ وہر آن مرتکب ہوتے

ہیں تو ان پر بھی ظلم وستم وحشت وبربریت اور ایذائے ذی روح کا الزام آئے بغیر نہیں رہ سکتا اگر وہ اس کا جواب یہ دیں کہ انسان اشرف واعلیٰ ہے اور انعام وبہائم، ادنیٰ وارذل اور اعلیٰ کا ادنیٰ کو استعمال میں لانے اور اس سے حوائج اصلیہ جائز کو پورا کرنے کی قدرت نے اجازت دی ہے اور اس میں اصلاً ظلم وستم نہیں تو ان کے اس جواب سے مابہ النزاع کا ارتفاع کلی ہے کہ مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں پھر بلاوجہ ان کو کیوں ملزم ٹھہرایا جاتا ہے؟

معترضین کی خفت عقل اس مسئلہ میں نہ صرف ہر عاقل کو خندہ ریزی کا موقع دیتی ہے بلکہ ہر جاہل ونادان کے نزدیک وہ "گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز" کے پورے پورے مصداق ہیں، معترضین چراغ ہاتھ میں لے کر کائناتِ عالم کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر غائرانہ نظر ڈالیں اور ان چند افراد کو جو اس مسئلہ میں ان کے ہم آہنگ وہم نوا ہیں تلاش کریں اور دیکھیں کہ ان چند نفوس میں سے کئی ہستیاں ایسی ہیں جن کو چمڑے کی جوتیاں پہننے میں عار ہے۔

ان کا پائے تجسس لنگ کرنے لگے گا مگر ان کو ایک فرد بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو اس جرم کا ارتکاب نہ کرتا ہو، گوشت کھانے میں تو ایک نوع کی تعظیم بھی تھی صرف ایذائے ذی روح کا لغو وباطل خیال ہی دل میں چٹکیاں لیتا تھا مگر چمڑے کی جوتیاں پہننے میں تو گائے کی صریح اہانت ہے، نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے اس تعظیم پر توہین کو کیوں ترجیح دی؟

معترضین وجہ ترجیح بتائیں، مسلمان اگر گوشت سے لذت اندوز ہوتے اور خدائے برتر کی عطا فرمائی ہوئی اس نعمت عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو اپنے اس مالک وخالق کی تعمیل حکم کی بنا پر ایسا کرتے ہیں لیکن معترضین خود اس "واجب التعظیم گائے" کی اس درجہ توہین وتذلیل کے کیوں درپے ہیں؟ جو اس کے چمڑے کی جوتیاں بنا کر پہنتے ہیں، وہ خود ہی انصاف سے کہیں کہ کیا یہ امر ان کے خبط عقل ہونے کی زندہ مثال نہیں؟ اور کیا وہ مذکورہ ضرب المثل کے مصداق نہیں ہیں؟۔

الحمدللہ ہماری اس اجمالی تحریر سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ گوشت کی حلت میں اصلاً کلام نہیں، نہ گوشت کھانے والوں پر ایذائے ذی روح کا الزام درست، نہ ان پر ظلم وستم اور وحشت وبربریت کا اعتراض صحیح، یہ اجمال ہر عاقل وانصاف پسند انسان کی تسلی خاطر اور تسکین قلب کے لئے کافی ہے لیکن ایک وہ شخص جو پکا ملحد ہو اور کسی دین کا پابند نہ ہوا گر وہ اس مسئلہ پر دندانِ اعتراض تیز کرے تو تاوقتیکہ اس کو دلیل عقلی سے مسکت اور دنداں شکن جواب نہ دیا جائے وہ صرف اس پر قناعت نہیں کرسکتا لہٰذا میں اس مضمون کو ایک دلیل عقلی پر ختم کرتا ہوں تاکہ اعتراض کا راستہ ہی مسدود ہوجائے اور کسی کو مجال دم زدن باقی نہ رہے۔

دنیا میں ذی روح اور جاندار کی جس قدر اقسام ہیں وضع خلقی کے لحاظ سے ہر قسم میں ایک ایسی نمایاں اور مابہ الامتیاز خصوصیت پائی جاتی ہے جو دوسری قسم میں مطلقاً مفقود ہوتی ہے اور جس کے سبب سے اقسام ذی روح میں ایک دوسری سے امتیاز کلی ہوجاتا ہے۔

ہم اس کلیہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جب ہر جاندار، چرند و پرند کی خوراک پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس میں بھی وضع جبلی کے اعتبار سے اختلاف نظر آتا ہے، مثلاً وہ پرند جن کی نوک ترچھی ہے ان کی خورش گوشت ہے اور جن کی سیدھی ہے وہ گوشت کی ہوا سے بھی گریز کرتے ہیں، اس قاعدہ سے اگر ایک آدھ پرند مستثنیٰ ہو تو اس سے ہمارے اثبات مدعیٰ پر کچھ اثر نہیں پڑتا، چوپایوں میں جن کی خوراک گوشت ہے ان کی وضع خلقی یہ ہے کہ ان کے دو کیلے اور داڑھیں کچھ گول ہوتی ہیں اور جن کی خوراک گھاس وغیرہ ہے ان کی داڑھیں چپٹی ہوتی ہیں۔

یہ ایک ایسی پہچان ہے کہ اگر چوپایہ سامنے نہ بھی ہو جب بھی صرف اس کی داڑھوں ہی کو دیکھ کر ہر شخص پہچان سکتا ہے کہ جس کی یہ داڑھیں ہیں اس کی خوراک گوشت ہے یا گھاس؟ چونکہ انسان بھی ایک غیر پرند جاندار ہے لہٰذا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی داڑھیں انھیں جانوروں کی مثل ہیں جن کی خوراک گوشت ہے گھاس کھانے والے جانوروں کے مثل نہیں۔

اس سے اس حقیقت کا انکشاف تام ہوگیا کہ انسان کی وضع خلقی گوشت خوری کی مقتضی ہے یہی سبب ہے کہ ہر ملک اور ہر طبقے، ہر ملت اور ہر مشرب کے لوگ بکثرت گوشت خوری کے عادی ہیں۔ ■

از: مفتی محمد صابر القادری نعیمی

# ماہِ ذوالحجہ کے فضائل ومعمولات

ذوالحجہ اسلامی سال کا بارھواں مہینہ ہے، ذوالحجہ چار برکت اور حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، اس مبارک مہینہ میں بکثرت نوافل، روزے، تلاوت قرآن عظیم، تسبیح وتہلیل، تکبیر وتقدیس اور صدقات وغیرہ اعمال کا بہت بڑا ثواب ہے، بالخصوص ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی اتنی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عشرہ کی دس راتوں کی قسم یاد فرمائی ہے۔

خداوند قدوس قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: والفجر ولیالٍ عشر والشفع والوتر واللیل اذا یسر۔ [پ۳۰، سورۃ الفجر، آیت۱تا۴] یعنی اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چل دے۔ [کنزالایمان]

والفجر سے مراد یکم محرم کی صبح ہے جس سے سال شروع ہوتا ہے یا یکم ذوالحجہ کی صبح جس سے دس راتیں ملی ہوئی ہیں یا عیدالاضحیٰ کی صبح، بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ہر دن کی صبح ہے کیوں کہ وہ صبح رات کے گزرنے اور روشنی کے ظاہر ہونے اور تمام جانداروں کے طلب رزق کے لئے منتشر ہونے کا وقت ہے اور یہ مردوں کے قبر سے اٹھنے کے وقت کے ساتھ مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ولیالٍ عشر سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں کیوں کہ یہ زمانہ اعمال حج میں مشغول ہونے کا زمانہ ہے، حدیث شریف میں اس عشرہ کی بہت فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، یہ بھی مروی ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیرہ کی راتیں مراد ہیں یا محرم کے پہلے عشرہ کی راتیں مراد ہیں، والشفع والوتر سے مراد ہر چیز کے یا ان راتوں کے یا نمازوں کے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جفت سے مراد خلق اور طاق سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

واللیل اذا یسر سے مراد رات گزرے یہ پانچویں قسم ہے عام رات اس سے پہلے دس خاص راتوں کی قسم ذکر فرمائی گئی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے خاص شب مزدلفہ مراد ہے جس میں بندگان خدا طاعت الٰہی کے لئے جمع ہوتے ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے شب قدر مراد ہے جس میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور جو کثرت ثواب کے لئے مخصوص ہے۔ [تفسیر خزائن العرفان]

مذکورہ بالا قسم سے معلوم ہوا کہ عشرۂ ذوالحجہ کی بہت بڑی فضیلت ہے اسی طرح ان کی فضیلت کتب احادیث میں بکثرت وارد ہیں، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت عشرۂ ذوالحجہ داخل ہو جائے اور تم میں سے بعض آدمی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو چاہئے کہ بال اور جسم سے کسی چیز کو مس نہ کرے، ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ بال نہ کتروائے اور نہ ناخن ترشوائے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور قربانی کا ارادہ ہو تو نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن ترشوائے۔ [مشکوٰۃ، ص۱۲۷]

حدیث پاک میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انہ قال ما من ایام احب الی اللہ تعالیٰ ان یتعبد لہ فیھن من ایام عشر ذی الحجۃ وان صیام یوم فیھا یعدل صیام سنۃ وقیام لیلۃ فیھن کصیام سنۃ۔

یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دن زیادہ پسندیدہ نہیں جس میں عبادت کی جائے، ذوالحجہ کے ان دس دنوں سے (کیوں کہ) ان دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ [مشکوٰۃ، ص۱۲۵]

یہی وجہ تھی کہ سیدنا حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

* مضمون نگار، مدرسہ عربیہ رحمانیہ رحمان گنج، بارہ بنکی کے پرنسپل ہیں۔

فرماتے ہیں کہ دس راتوں میں چراغ نہ بجھاؤ اور خدام کو ان راتوں میں جاگنے اور عبادت کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ [غنیۃ الطالبین]

## قربانی کی فضیلت

قربانی اسلام کا ایک شعار عظیم ہے جس کو زبردست اہمیت وفضیلت حاصل ہے، آقائے کریم ﷺ کو قربانی کا حکم دیا گیا، ارشاد ربانی ہے: فصل لربك وانحر. یعنی آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے، دیگر احادیث کریمہ میں بھی قربانی کرنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے، ترک پر وعید اور اس کے کرنے پر ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر اپنے عزیز بیٹے کی قربانی کے لئے اس کے حلق پر چھری رکھ دی اور تکبیر کہہ کر قربانی کرنے میں مشغول ہو گئے، لیکن اللہ کی شان کریمی کے قربان کہ اس نے حضرت اسماعیل کے گلے پر ایک تانبے کا پتر رکھ دیا تھا، جس کی وجہ سے چھری کی دھار کا کوئی اثر نہ ہوا، چھری کو پھر تیز کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر پھیرنے لگے مگر اب بھی وہی حال، آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غصہ میں چھری کو پتھر پر پھینک دیا، خدا کے حکم سے چھری نے کہا: اے خلیل اللہ مجھے اسماعیل کو ذبح کرنے کا حکم نہیں، چھری کو پھر خوب تیز کیا اور پوری طاقت سے تکبیر کہہ کر لخت جگر کی گردن پر پھیرنے لگے، غم فرقت سے آنکھیں ڈبڈبا گئیں، فرشتے یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں تھے، خود شیطان بھی کھڑا ہوا دونوں باپ بیٹے کے صبر و تسلیم کو نگاہ تعجب سے دیکھ رہا تھا، اتنے میں حضرت جبریل علیہ السلام آسمان سے ایک بہشت کا مینڈھا لائے، اس وقت یہ آواز آئی کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دیا، یہ مینڈھا تمہارے بیٹے کا فدیہ ہے وفدینه بذبح عظيم. یعنی ہم نے اسماعیل کے فدیہ میں ایک ذبح عظیم عطا کیا، اسی کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس غیب کی آواز کو سن کر کہا لا اله الا الله والله اکبر، حضرت اسماعیل علیہ السلام پکار اٹھے الله اکبر ولله الحمد، ان الفاظ کو زبان پر لانا پچھلی امتوں کے لئے سنت ہو گیا اور تمام اعمال سے افضل تر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی باعظمت الفاظ ہیں، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

یہ آساں ہے کہ انساں چھوڑ دے سب مال و زر اپنا
یہ آساں ہے کہ انساں چھوڑ دے تخت سلیمانی
یہ آساں ہے کہ انساں رنج اٹھائے سختیاں جھیلے
یہ آساں ہے کہ اپنی جان بھی دیدے بآسانی
یہ سب آسان سے آسان تر ہے جان من لیکن
بہت مشکل ہے اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی
کیا بیٹے کو قرباں راہ حق میں اپنے ہاتھوں سے
نہیں دنیا میں کوئی بھی خلیل اللہ کا ثانی

اے مسلمانوں یہ غور و فکر کا مقام ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنے لخت جگر کی قربانی کا حکم دیا تو وہ اپنے نور نظر اپنے نور نظر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے، اب ذرا اپنی حالت دیکھو کہ گائے بکری کی قربانی بھی تم پر شاق گزرتی ہے، سوچو تو سہی کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ اولاد کی قربانی واجب کر دیتا تو کیا کرتے؟ وہ لوگ خوش نصیب ہیں جو عید الاضحیٰ میں نہایت شوق ومحبت سے قربانیاں کرتے ہیں اور وہ لوگ بد بخت ہیں جو اس نیک کام میں بخل روا رکھتے ہیں۔ [علم الیقین ص ۴۷۳ تا ۴۷۵]

**مسائل قربانی:** قربانی ہر مسلمان مکلف، آزاد، مقیم، صاحب نصاب پر واجب ہے اگر ترک کرے گا سخت گنہگار ہوگا۔

**مسئلہ:** قربانی کے وقت میں قربانی ہی ضروری ہے کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی مثلاً قربانی کرنے کے بجائے جانور یا اس کی قیمت صدقہ کر دینا کافی نہیں۔

**مسئلہ:** قربانی کا وقت شہری کیلئے بعد نماز عید و دعا ہے اور غیر شہری کے لئے دسویں ذوالحجہ کی صبح صادق ہے اور سب کے لئے آخری وقت بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔

**مسئلہ:** بھینس اور اونٹ وغیرہ یعنی بڑے جانوروں میں سات لوگوں تک کی شرکت جائز ہے، بکرا بکری، بھیڑ، دنبہ ایک ہی آدمی کی طرف سے ہوگا۔

**مسئلہ:** قربانی کے جانور میں جتنے شریک ہوں سب کی نیت قربانی یا نیک کام ہی کی ہو محض گوشت کھانے یا تجارت کرنے کی نہ ہو

ورنہ کسی کی قربانی نہ ہوگی۔

مسئلہ: بکرا، بکری، دنبہ کم از کم ایک سال کا ہو اس سے کم کا جائز نہیں ہاں دنبہ کا بچہ اگر چھ ماہ کا خوب فربہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ: بھینس وغیرہ دو برس سے کم کے جائز نہیں اور اونٹ پانچ برس سے کم کا جائز نہیں۔

مسئلہ: قربانی کرنے والے کے لئے چاند دیکھ کر قربانی کرنے تک سر نہ منڈانا، بال نہ ترشوانا ناخن نہ کٹوانا مستحب ہے۔

تکبیر تشریق: نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد بآواز بلند ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، تکبیر تشریق یہ ہے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ [بہار شریعت]

عرفہ کا روزہ: ان دنوں میں عرفہ کا دن بڑا معظم ومحترم دن ہے، اس لئے کہ عرفہ کا روزہ ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے مگر یہ غیر محرم کے حق میں ہے اور محرم عرفہ کے دن روزہ نہ رکھے تاکہ مناسک حج کے ادا کرنے میں سستی نہ ہو۔ [ماثبت من السنۃ ص ۱۷۹]

حکایت: ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک دوست کے آگے دس نور دیکھے اور اپنے آگے صرف دو نور نظر آئے اس لئے مجھے تعجب ہوا اتنے میں مجھے بتایا گیا کہ تیرے دوست نے دس سال عرفہ کا روزہ رکھا تھا، اس لئے اس کے آگے دس نور ہیں اور تو نے صرف دو سال عرفہ کا روزہ رکھا تھا، اس لئے تیرے آگے صرف دو نور ہیں۔ [نزہۃ المجالس ج ۱ ص ۱۴۴]

معمولات ماہ ذوالحجہ: حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص پہلی رات ذوالحجہ میں چار رکعت نفل اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد قل ہو اللہ احد پچیس مرتبہ پڑھے اور اللہ تعالیٰ اس کو بے شمار ثواب عطا فرماتا ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا جو شخص دسویں ذوالحجہ تک ہر رات وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو مقام اعلیٰ علّیین میں داخل فرمائے گا اور اس کے ہر بال کے بدلے میں ہزار نیکیاں لکھے گا اور اس کو ہزار دینار صدقہ دینے کا ثواب ملے گا۔

ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی فقیر ہو اور قربانی کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟ آقائے کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ نماز عید کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کوثر تین مرتبہ پڑھے تو اللہ جل شانہ اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب عطا فرمائے گا۔ [راحت القلوب]

مذکورہ بالا احادیث کریمہ سے معلوم ہوا کہ ماہ ذوالحجہ بہت سے فضیلت و برکت والا مہینہ ہے اس مہینہ کو پاکر عبادت الٰہی میں مصروف عمل ہو کر اپنی آخرت کے سنوارنے کی بھرپور کوشش وسعی کرنا چاہئے، مولائے کریم اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں تمام مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

ص ۵۵ رکا بقیہ.........

| | |
|---|---|
| ست الوزراء: | بنت عمر بن اسعد تنوخیہ |
| تاج النساء: | بنت رستم بن ابورجاء اصفہانیہ |
| شرف النساء: | امۃ اللہ بنت احمد آبنوسیہ |
| فخر النساء: | شہدہ بنت احمد بغدادیہ |
| زین الدار: | وجیہ بنت علی بوصیریہ |
| شجرۃ الدار: | ام خلیل |
| حرۃ: | زینت بنت ابوالقاسم نیشاپوریہ |
| جلیلۃ: | ام عمر خدیجۃ بنت عمر |
| معلمۃ: | غالیمہ بنت محمد اندلسیہ |
| شیخۃ: | ام الفضل صفیہ بنت ابراہیم مکیہ |

واضح ہو کہ مذکورہ القابات میں ''ست'' سیدہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ [ملخصاً خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات، ص ۳۸]

مذکورہ القاب وآداب آج بھی اپنے مصداق کی تلاش میں ہیں، کاش کوئی اسلامی شہزادی ان کے حصول کے لئے میدان عمل میں قسمت آزمائی کرے، ایک زمانے کو اس کا انتظار ہے۔ ■■■

از: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری*

# قربانی! فضائل اور تقاضے

قربانی آدین کی شان اور اسلام کا ایک عظیم نشان ہے، قربانی! حضرت ابراہیم علیہ السلام نیز دوسرے انبیائے کرام کی سنّت اور رب کے دربار میں بندوں کی بہترین عبادت ہے، جس طرح بے آب وگیاہ مردہ زمین بارش کے اثر سے سرسبز وشاداب ہوجاتی ہے، ایسے ہی جان ومال کی خشک کھیتیاں قربانیوں کے فیض سے ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہیں، چوں کہ بندہ قربانی کے ذریعے خداوند قدوس کے قرب خاص سے مشرف ہوجاتا ہے، اس لیے اس عبادت کو قربانی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قربانی کے فضائل وتقاضے کے گلہائے رنگا رنگ سے کتاب وسنّت کے اوراق مزین ہیں، جن سے قربانی کی اہمیت و ضرورت کا بھی پتہ چلتا ہے اور یہ بھی کہ کیسی قربانی خدا کو مطلوب ہے، ارشاد خداوندی ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔

جس طرح نماز کا حکم بظاہر صرف رسول کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کو ہے، لیکن درحقیقت سب مسلمانوں کو ہے، اسی طرح قربانی کا حکم بھی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ امت پر بھی لازم ہے، امت کے نبی ورسول پر جو انعام واکرام ہوتا ہے وہ لطف واحسان امت کو بھی شامل ہوتا ہے، لہٰذا امت پر نبی کا شکریہ اور اتباع ضروری ہے۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: قالوا ما هٰذه الأضاحي يا رسول الله قال سنة أبيكم ابراهيم۔ کیا ہیں یہ قربانیاں اور ان کا مقصد کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے، عرض کی گئی اس سنّت پر عمل سے کیا نفع ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ذبح کیے جانے والے جانور کے بدن پر جتنے بال ہوں گے، ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر احب الى الله من اهراق الدم وانه لياتي يوم القيامة بقرونها واشعارها واظلافها وان الدم ليقع من الله بمكان قبل ان يقع على الارض فطيبوا بها نفسا۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو انسان کے لیے اللہ کی راہ میں قربانی کرنے سے بڑھ کر کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور سموں سمیت آئے گا (اور مومن کی نیکیوں والے پلڑے میں رکھا جائے گا) اور اس جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں محل قبولیت میں پہنچ جاتا ہے، لہٰذا ان قربانیوں کو فراخ دلی سے کیا کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی میں جانور کا ذبح کرنا، اس کا خون بہانا ضروری ہے، لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ اس کی قیمت صدقہ کردینی چاہیے، یہ لغو وباطل ہے، قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے، قرآن کریم نے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے قول وعمل سے اس عمل کو افضل و اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

اقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة عشر سنين يضحى۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں دس سالہ مدت اقامت میں قربانی دیتے رہے۔

واضح ہوگیا کہ قربانی دینا صرف میدان منیٰ کے ساتھ خاص



* مقالہ نگار جامعہ رضویہ پنجاب کے مہتمم اور اہل سنت کے معروف ومعتبر اہل قلم ہیں۔

نہیں اور صرف حاجیوں پر لازم نہیں، بلکہ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر لازم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سالہ قیامِ مدینہ کے دوران قربانی دے کر اس کی اہمیت کو ظاہر فرمادیا اور تمام شبہات کا ازالہ کردیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس کا لب لباب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ذوالحج کو دو مینڈھے جو کہ سیاہ رنگ والے، سینگ دار، خصّی کیے ہوئے تھے، مدینہ منورہ میں ذبح فرمائے اور فرمایا: اے اللہ! یہ قربانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی اُمت کی طرف سے قبول فرما۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو اپنے ساتھ قربانی کے ثواب میں شریک فرمایا، تو اس احسان کا تقاضا یہ ہے کہ اُمتی بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کریں، دوسری چیز یہ کہ حضور نے اُمت کی طرف سے قربانی فرمائی، خواہ وہ موجود تھے یا نہ تھے، بلکہ بعد میں پیدا ہونے والے تھے یا پہلے وفات پاچکے تھے، تو معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کی طرف صدقہ کرنا، اسے اپنے ثواب میں شریک کرنا خواہ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو کارِ ثواب ہے، سنّت مصطفےٰ ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ قربان کیے، جن میں سے تریسٹھ اونٹ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذبح کے لیے خنجر ہاتھ میں لے کر اونٹ کے سامنے آئے اور اونٹ پانچ پانچ چھ چھ کی ٹولی میں آپ کے پاس لائے جانے لگے تو وہ ایک دوسرے کو دھکیل کر اپنی گردن آگے کر دیتے تا کہ پہلے اسے ذبح کیا جائے، دیکھئے جانوروں کو بھی محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کتنا سچا عشق ہے کہ جان جانے کا غم نہیں، بھاگ کر جان بچانے کی فکر نہیں، بلکہ ہر ایک اس خواہش میں کہ پہلے مجھے محبوب خدا کے دست ناز سے ذبح ہونا نصیب ہو، دوسرے کو دھکیل کر گردن آگے بڑھا دیتا ہے۔

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا

جب جانوروں کے اندر جانثاری و فداکاری کا ایسا بے پناہ جذبہ موجود ہے، تو پھر ان مردانِ حق کے جذباتِ محبت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جو محبوب کے قدموں پر اپنی جانیں نچھاور کرتے تھے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان ''کشف الاسرار'' سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کی اُمت میں جو بھی مفلس و نادار ہو اور قربانی نہ کر سکے تو کوئی ایسی صورت ہے جس سے وہ قربانی کا ثواب حاصل کر سکے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نسخۂ کیمیا عطا فرمایا کہ چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ کوثر پڑھے، تو اللہ تعالیٰ ساٹھ قربانیوں کا ثواب اس کے دفتر حسنات میں درج فرمائے گا۔

نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا زکوٰۃ، تلاوت ہو یا کوئی اور عبادت، وہ تمام صرف اور صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے، ارشادِ پاک پروردگار ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ آپ فرمادیں کہ میری نماز اور قربانی، حیات و ممات اس اللہ کے لیے ہے جو کہ ربّ العالمین ہے۔

امام رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ لِرَبِّکَ والا ''لام'' نماز و قربانی اور جملہ عبادات کے لیے یوں ہے جیسے بدن کے لیے روح، بدن چاہے کتنا حسین سے حسین تر کیوں نہ ہو، جب تک اس میں روح نہیں، اس کا کوئی کمال، کمال نہیں بن سکتا اور نہ وہ کسی مدح وثنا کا مستحق ہے، بلکہ وہ تو عن قریب سڑ گل کر تباہ و برباد ہو جائے گا، لہٰذا وہ پیوند خاک کر دینے ہی کے قابل ہے، اسی طرح نماز اگرچہ بظاہر احسن طریقے سے ادا کی گئی ہو، قیام و قرأت بڑے لمبے ہوں، رکوع و سجود بڑے طویل ہوں، لیکن ریاکاری و دکھلاوا پیش نظر ہو یا نمود و نمائش مقصود ہو، یا غیر اللہ کے لیے ہو، تو اس بدن کی مانند ہے جو روح سے خالی ہو، اس کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے

یہاں نہیں ہے، بلکہ وہ باعث ثواب ہونے کے بجائے ذریعہ عذاب بن جاتی ہے، ایسی ہی قربانی جو بظاہر بڑی نفیس اور قیمتی ہو، لیکن خلوص وللہیت والی روح اس میں موجود نہ ہو تو وہ عبث ہے، لغو ہے، بیکار ہے، اللہ کی نزدیکی کی بجائے دوری کا سبب بنتی ہے، معلوم ہوا قربانی کا مقصد محض جانور کو ذبح کر دینا ہی نہیں بلکہ قربانی کی روح یہ ہے کہ بندہ جذبہ اخلاص سے اپنے قلب و دماغ کو منور کر کے اپنے اندر تقویٰ وایثار کا کمال پیدا کرے۔

قرآن کریم نے کتنے صاف لفظوں میں قربانی کا مقصد بیان فرمایا ہے: لن ینال اللہ لحومها ولا دماءها ولکن يناله التقوى منكم. ہرگز ہرگز خدا کے دربار میں نہ قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے، نہ اس کا خون، البتہ تمہاری پرہیزگاری وہ اصول نکوکاری ہے جو خدا کے دربار میں باریاب ہو جاتی ہے۔

جانتا ہے بارگاہِ حق کے آئین و اصول
دل کے ٹکڑوں کی یہاں پر نذر ہوتی ہے قبول

تقاضائے قربانی یہ ہے کہ نور اخلاص سے اپنے باطن کو ایسا سجایا جائے کہ اس کے مظاہر سے صدق وصفا کی خوشبو آئے، اگر ایسا کرنے میں ہم کامیاب ہو گئے تو پھر قبولیت وعدم قبولیت کا کوئی کھٹکا نہ رہے گا، بلکہ رحمت واجابت خود بڑھ کے اپنی آغوش میں لے لے گی ورنہ یاد رکھا جائے کہ

جب تک کہ براہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
قربانی بھی آزر ہے، عبادت بھی ہے نمرود

**ص ۱۲ کا بقیہ**

بھی کھاتا ہے اس کے اثرات اس کی عملی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں چونکہ جانوروں میں بعض وہ ہیں جو درندہ صفت اور غلاظت پسند ہیں مثلاً شیر، چیتا، کتا، بلی، بھیڑیا، سور وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو شرافت اور نظافت پسند ہیں مثلاً گائے بھینس، بھیڑ بکری، مرغی وغیرہ، اگر انسان درندہ صفت جانوروں کا گوشت کھانے لگے تو ظاہری بات ہے کہ اس کے اندر بھی یہ بری خصلتیں اثر انداز ہوں گی اور اگر انسان شرافت پسند جانوروں کا گوشت کھائے گا تو یقیناً اس کے اندر بھی شرافت ونظافت پیدا ہوگی۔

■■■

از: مولانا ملک الظفر سہسرامی*

# حرم کی زمیں اور اس کے گردوپیش

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

سرورکائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جس پاک شریعت، دائمی قانون اور ہمہ گیر دین کا مکمل صحیفہ لے کر اس عالم رنگ وبو میں تشریف لائے وہ دین ودنیا کا ایک ایسا نگارخانہ، اور حکمتوں، مصلحتوں کا ایسا بے غبار آئینہ ہے جس میں فطرت کا جمال اور خرد کی رعنائی اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ انگڑائی لیتی نظر آتی ہے، اسلام کی تمام عبادتوں میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی کارفرمائیاں ہیں وہیں ساز فطرت کی نغمہ سرائیاں بھی۔

حج بھی ایک ایسی ہی عبادت ہے جو اپنے گردوپیش اور احکام وشرائط کی روشنی میں عشق وایمان کا ایسا سدا بہار چمن ہے جس میں ایک مرتبہ پہنچنے کے بعد ہر زائر اس کی خوشبوئے معنبر سے سرشار اور زندگی بھر اس کی عطر بیزی سے معطر رہتا ہے۔

اسلام میں عبادتیں تین طرح کی ہیں (۱) بدنی محض مثلاً نماز، روزے (۲) مالی محض مثلاً زکوٰۃ (۳) بدنی ومالی مشترکہ مثلاً، حج جیسا ادا کرنے کے لئے جہاں جسمانی صلاحیتوں کی ضرورت وحاجت ہے، وہیں مالی وسائل بھی مطلوب ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان مقدس ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے گھر کا حج کرنا لوگوں پر فرض ہے جو اس تک چل سکیں۔

حج اسلامی سن کے اعتبار سے ۹ ہجری میں فرض ہوا، اس سال سرورکائنات ﷺ بذات خود حج کی ادائیگی کے لیے تشریف نہیں لے گئے، لیکن آپ نے اپنے تین سو جاں نثار اصحاب کرام کا مقدس قافلہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے مکۃ المکرمہ کی جانب ادائیگی حج کے لیے روانہ فرمایا، اس بابرکت قافلۂ حج کی قیادت کے لیے اگر ایک طرف حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر فرمایا تو وہیں، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو نقیب الاسلام اور حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص، حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ، حضرت ابوہریرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو معلم بنا کر روانہ فرمایا، یہ تھا اسلامی تاریخ کا وہ پہلا سفر حج جس نے ایام جاہلیت کی تمام فرسودہ روایات کی بساط لپیٹ کر رکھ دی اور زہد وتقویٰ پرہیزگاری کی ایک ایسی اساس وبنیاد فراہم کر دی جس سے انسانیت کا سر ہمیشہ فخر سے بلند ہوتا رہے گا، حج اسلامی ارکان میں ایک اہم رکن ہے، یہ فرض قطعی ہے، جو مسلمان اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، یہ وظیفہ عمری ہے، ساری عمر میں ایک مرتبہ حج فرض ہے، جس پر حج فرض ہو گیا اور اس نے حج کی ادائیگی نہیں کی تو وہ مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور ایسے شخص کے لیے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا۔ یعنی جو مسلمان زاد سفر اور سواری پر قادر ہو جو اسے بیت اللہ شریف تک پہنچا سکے اور وہ حج کی سعادتوں سے بہرہ ور نہ ہو، تو اس پر اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی حج پاک کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے خوش نصیب مسلمانوں کی دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی، اس میں بے پناہ ثواب اور برکتیں ہیں، حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ حج کی سعادتیں حاصل کیں وفحش کلامی اور فسق وفجور سے

خود کو محفوظ رکھا تو جب وہ واپس ہوگا تو اس دن کی طرح ہوگا جس میں اس کی ماں نے اسے جنا۔

حج پاک کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے مومن کی رفعت شان کے تعلق سے سرور کائنات ﷺ کا ایک فرمان مقدس حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِیْتَ الحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْہِ وَصَافِحْہُ وَمُرْہُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَہٗ فَاِنَّہٗ مَغْفُوْرٌ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کسی حاجی سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرو کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لیے استغفار کرے، اس لیے کہ وہ بخشا ہوا ہے۔ [مشکوٰۃ]

سرکار دوعالم ﷺ نے حج کی سعادتوں سے فیضیاب ہونے والے حضرات کے لیے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَہٗ۔ یعنی اے اللہ! خانۂ کعبہ کا حج کرنے والے خوش نصیب مسلمانوں کو بخش دے اور ان کی بھی مغفرت فرمادے جن کے لیے حاجی دعائے مغفرت کرے۔ [احیاء العلوم جلد ا]

بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونے والے خوش بختوں کے لیے آقا کی نوید ہے: مَنْ نَظَرَ اِلَی الْکَعْبَۃِ اِیْمَانًا وَّ تَصْدِیْقًا خَرَجَ مِنَ الْخَطَایَا کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔ یعنی جس مسلمان نے ایمان کی حالت میں صدق دل سے کعبہ کی طرف دیکھا وہ گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔

ان مقدس اور بابرکت مقامات پر پہنچ جانا لاریب ایک مومن کی روحانی معراج ہے، ایک ایک گوشہ، ایک ایک چپہ رحمت و انوار اور تجلیات الٰہی کا مرکز ہے، حضرت سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''احیاء العلوم'' میں رقم طراز ہیں ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیت اللہ شریف میں ہر دن ایک سو بیس رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، جن میں ساٹھ رحمتیں طواف کی سعادتیں حاصل کرنے والوں کے لیے، چالیس مسجد الحرام میں نماز ادا کرنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں خانۂ کعبہ کے دیدار سے اپنی آنکھیں منور کرنے والوں کے لیے ہیں۔

صاحب تفسیر روح البیان تحریر فرماتے ہیں: وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا مِنَ النَّارِ۔ یعنی جو حرم شریف میں داخل ہوا وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہوگیا۔

آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ مَّاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اٰمِنًا۔ یعنی جس شخص کی موت مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں ہوئی وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھے گا۔

امام ترمذی کی روایت ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے، ایک شخص آئے انہوں نے نماز ادا کی اور یوں دعا مانگی، اے اللہ تعالیٰ! میری مغفرت فرمادے، مجھ پہ رحم فرما، آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے نمازی! تم نے بہت عجلت سے کام لیا، جب تم نماز پڑھ لو تو بیٹھو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرو اور صلّ علیؐ اور مجھ پہ درود و سلام کا نذرانہ پیش کرو پھر دعا کرو، پھر دوسرے شخص آئے انہوں نے بھی نماز ادا فرمائی، نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر حضور ﷺ پہ درود پڑھا، آقا ﷺ نے فرمایا کہ اے نمازی! اب دعا مانگو مقبول بارگاہ خداوندی ہوگی۔

یقیناً درود شریف ہماری دعاؤں کی قبولیت کا تعویذ ہے۔

**مدینہ منورہ کی حاضری:** اب کاروان شوق اور قافلۂ محبت اس مقدس دیار کی جانب کوچ کرنے کے لیے تیار ہے جس کی خاک رہگذر بھی عقیدتوں کی کہکشاں ہے، اب انداز جنوں خیز کو دیوانگی کی حدوں سے باہر نکلنے اور فرزانگی کی دہلیز پہ قدم رکھنے کا حکم دیجیے کہ یہ محبوب خدا کی بارگاہ ناز ہے، جہاں سید الملائکہ حضرت سیدنا جبرئیل علیہ السلام دست بستہ حاضر رہا کرتے تھے، جہاں فرشتوں کا قافلہ صبح و شام جاروب کشی کے لیے حاضر رہتا ہے، یہ وہ حریم ناز ہے، جہاں سے شفاعت کا مژدہ اور مغفرت کی تسکین ملتی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت خوش بخت مسلمان کی تو دیرینہ تمنا اور آرزو ہے، یہی حاضری تو ایمان کی جان اور روح کا قرار ہے، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس

نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب اور ضروری ہوگئی۔ [دار قطنی، بیہقی]

ایک مقام پہ آقا ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: جس سے ہو سکے کہ وہ مدینہ میں مرے تو وہ مدینہ ہی میں مرے کہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔'' [طبرانی کبیر]

ایک دوسرے مقام پہ یوں ارشاد نبوی علیہ السلام ہے: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہی ہے جیسے میری حیات ظاہری میں زیارت کی۔ [دار قطنی، طبرانی)]

ایک مقام پہ سخت لب و لہجے میں فرمایا: جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری اور اس کی زیارت واجب کے قریب ہے، حکم شرعی یہ ہے کہ روضۂ اقدس پہ حاضری میں خالص زیارت اقدس کی نیت کرے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس مرتبہ مسجد شریف کی نیت بھی شامل نہ کرے، اگر آپ پہ حج فرض ہے تو حج کے ارکان ادا کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوں، اگر مدینہ راستے میں ہو تو بغیر زیارت روضۂ اقدس حج کے لیے جانا سخت محرومی اور قساوت قلبی ہے، سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس کی حاضری کو قبول حج اور دارین کی سعادتوں کا وسیلہ تصور کرے، اگر آپ نفل حج کے ارادے سے گئے ہیں، آپ چاہیں تو پہلے حج کے ارکان ادا کرلیں اور مکمل صاف ستھرے ہوجائیں پھر سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادتیں حاصل کریں یا پہلے سرکار دوعالم ﷺ کے روضۂ اقدس پہ حاضری کی سعادتیں حاصل کیجیے اور حج کرنے سے قبل حج کی مقبولیت کا وسیلہ اس حاضری کو بنائیے پھر حج کے ارکان ادا کیجیے۔

زائر کے لیے ضروری ہے کہ حاضر بارگاہ نبوی ہونے سے پہلے مسواک کرے، غسل کرے، سرمہ لگائے، اگر ممکن ہو تو نیا لباس زیب تن کرے، خوشبو لگائے، پھر ادب و احترام کی تصویر بن کر سلطان کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے روانہ ہو، حرم نبوی علیہ التحیۃ والثنا میں داخل ہونے کے لیے بہت سارے دروازے ہیں، انہی میں ایک دروازہ باب جبرئیل سے موسوم ہے، ان کی اقتدا و پیروی میں کم از کم پہلی حاضری کے لیے باب جبرئیل کا انتخاب کرے نہایت ادب و احترام کے ساتھ نگاہیں جھکائے ہوئے روضۂ اقدس کی جالی شریف کے قریب پہنچے، دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہوں، فقہاء نے فقہ کی معروف کتابوں مثلاً لباب، شرح لباب، اختیار شرح مختار، فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی حاضری کے آداب کی تصریح فرماتے ہوئے لکھا ہے: كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ۔ یعنی حضور ﷺ کی بارگاہ ناز میں اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

یہ عبارت عالمگیری واختیار کی ہے، لباب میں مزید وضاحت کے ساتھ ہے: وَاضِعاً يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِه۔ یعنی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینے والا حاضر ہو تو دست بستہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پہ رکھ کر کھڑا ہو۔

دل سلطان کائنات ﷺ کی عظمت وتوقیر سے لرزہ براندام ہو، پورا وجود غلامی کی تصویر بنا ہوا ہو تو درود وسلام کا نذرانہ پیش کرلے، رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتوقیر ان کی اطاعت میں ہے لیکن روضۂ انور کا طواف نہ کیجیے، نہ سجدہ کیجیے، نہ اتنا جھکئے کہ حد رکوع میں داخل ہوجائے، جالی شریف میں تین دائرے ہیں، پہلا دائرہ سرکار دو عالم ﷺ کا مواجہہ شریف ہے یعنی یہ دائرہ سرکار دوعالم ﷺ کے رخ اقدس کے مقابل ہے، پھر اس سے ذرا ہٹ کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مواجہہ شریف ہے وہاں سلام پیش کرے پھر اس سے ذرا ہٹ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مواجہہ شریف ہے وہاں سلام پیش کرے، اس کے بعد سرکار دوعالم ﷺ کے مواجہہ شریف کے قریب آکر درود وسلام پیش کرے اس کے بعد توبہ واستغفار کرکے شفاعت کی درخواست پیش کرے، اس کے علاوہ اور بھی جو گزارشات ہوں وہ اپنے آقا ومولا کی بارگاہ میں پیش کرے، زائر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت یہ عقیدہ رکھے کہ حضور ﷺ ہمہ وقت اپنی تربت شریف میں حیات حقیقی وجسمانی کے ساتھ تشریف فرما ہیں، وہ ہمارے صلوٰۃ وسلام سن رہے ہیں اور ہماری ایک ایک نقل وحرکت پہ بھی نظر ہے۔

امام محمد بن حاج مکی اپنی کتاب مدخل میں اور امام احمد قسطلانی

مواہب لدنیہ میں، دیگر ائمۂ دین نے اپنی اپنی تصانیف میں فرمایا ہے: لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مُشَاهَدَةٍ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَةٍ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذٰلِكَ عِنْدَهٗ جَلِيٌّ لَا خِفَاءَ بِهٖ۔ یعنی حضور ﷺ کی حیات ووفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ حضور اپنی امتوں کو دیکھ رہے ہیں ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالات تک پہچانتے ہیں، یہ سب حضور پہ اس طرح روشن ہیں جس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔

امام محقق ابن ہمام منسک متوسط میں اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک میں رقمطراز ہیں: اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِكَ وَقِيَامِكَ وَسَلَامِكَ اَيْ بَلْ بِجَمِيْعِ اَفْعَالِكَ وَاَحْوَالِكَ وَاِرْتِحَالِكَ وَمَقَامِكَ۔ بے شک رسول اللہ ﷺ تمہاری حاضری تمہارے کھڑے ہونے، تمہارے سلام بلکہ تمہارے تمام احوال وافعال کوچ اور جائے قیام سے باخبر ہیں، روضۂ اطہر کے قریب اوّل تو کسی سے گفتگو نہ کرے اور ناگزیر حالات میں کرے بھی تو نہایت آہستہ اور درود وسلام پیش کرنے میں بھی اس حزم و احتیاط کا لحاظ و پاس رکھے، اس لیے کہ بارگاہ نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں بلند آواز سے بولنے پر پابندی اور سزا ہیں اعمال کے ملیامیٹ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی جالی شریف کو ہرگز ہرگز چھونے یا بوسہ دینے کی جسارت نہ کیجیے اور یہ اس لیے نہیں کہ معاذ اللہ! چھونا یا بوسہ دینا شرک اور بدعت ہے بلکہ اس احساس ندامت کے تحت کہ یہ گنہ گار ہاتھ گناہ کی نجاستوں کے سبب اس لائق کہاں کہ اس پاک ومقدس جالی کو چھوئیں یا بوسہ دیں۔

زائرین کو چاہئے کہ دوران قیام مدینہ منوّرہ امینہ مسجد نبوی علیہ التحیۃ الثناء اور روضۂ اقدس پر کثرت سے حاضری دیں اور درود وسلام کثرت سے پڑھیں، نوافل کا خوب اہتمام کریں کہ مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء میں ادا کی جانے والی ہر نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، روزوں کے لیے موقعہ ہو تو وہ بھی رکھ لیں کہ یہاں کے ایک روزے کا ثواب پچاس ہزار روزوں کے برابر ہے، یوں تو مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء کا ہر گوشہ برکات آثار ہے، لیکن بعض حصے کچھ ایسی خصوصیات کے حامل ہیں کہ ان کی عظمتوں پر دل وجان قربان ہیں۔

آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میرے منبر اور قبر شریف کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے، اس لیے نوافل کی ادائیگی کے لیے اس حصے کا انتخاب کریں جسے "ریاض الجنۃ" کہتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نوافل ان حصوں میں ادا کریں، ترک سلاطین کے عہد حکومت میں مسجد نبوی علیہ التحیۃ والثناء کی تعمیر میں ستونوں پر ان کی خصوصیات تحریر کردی گئی ہیں، مثلاً ایک ستون ہے جس پر ستون عائشہ تحریر ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس ستون کے قریب ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز تہجد ادا فرماتی تھیں، ایک ستون حضرت ابولبابہ سے موسوم ہے، یعنی وہ ستون ہے، جس سے حضرت سیدنا ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باندھے گئے اور اسی مقام پر ان کی توبہ کو شرف قبول حاصل ہوا، اس طرح بہت سارے ستونوں کی عبارتیں ان کی تاریخی شہادتیں پیش کررہی ہیں، ان مقامات پر نوافل کی ادائیگی میں ایک خاص روحانی کیفیت اور لذت کا احساس ذوق ایمانی کو حاصل ہوتا ہے پھر ان مقامات سے منسوب شخصیات کے ساتھ نسبت ووابستگی کا شرف و افتخار بھی حاصل ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران جنت البقیع میں کثرت سے حاضری کی سعادتیں حاصل کریں، یہیں حضرت سیدنا عثمان غنی، ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ، خاتون جنت حضرت سیدتنا فاطمہ، نواسۂ رسول حضرت سیدنا حسن، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا امام مالک، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آسودۂ خاک ہیں، اسی پاک سرزمین پر بہت سارے اصحاب کرام اور سرکار دوعالم ﷺ کے چہیتے اور لاڈلے مدفون ہیں، پہلے تمام مزارات پر قبے اور نشانات تھے، لیکن موجودہ سعودی حکومت نے انہیں مسمار کرکے زمین کے برابر کردیا، اب پتا نہیں چلتا کہ کہاں مزارات تھے کہاں نہیں، اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اندر داخل ہونے کی بجائے باہر ہی سے فاتحہ خوانی اور زیارت کی سعادتیں حاصل کرلیں۔ ■■■

ص ۱۳ / کا بقیہ ..........

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ماں کے پاس آ کر عرض گزار ہوئے ماں جہاد کے سامان کی تیاری کردو کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ کے لیے جہاد کا حکم دیا ہے، ماں نے کہا تم جاؤ گے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں داخل نہیں ہوتی مگر یہ جب تم میرے ساتھ ہوتے ہو، ابوہریرہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں پچھڑ سکتا تو ابوہریرہ کی ماں نے اپنے پستان نکال کر ابوہریرہ کو پستانوں سے دودھ پینے کی قسم دے دی اور خاموشی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آ کر اس کی خبر دے دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تمہاری کار گزاری کر دی جائے گی، ابوہریرہ حاضر بارگاہ اقدس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے چہرہ پھیر لیا ہے، ابوہریرہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے روگردانی فرمارہے ہیں۔

روگردانی کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو کچھ معلوم ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہی ہو کہ تمہاری ماں تم کو قسم دے رہی ہے اپنا پستان باہر نکال کر تمہیں اس سے دودھ پینے کی قسم دیتی ہے کیا تم میں سے کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ کے راستہ میں نہیں جب کہ اس کے والدین یا ان میں سے کوئی اس کے پاس ہوں بلکہ وہ تو اللہ کے راستہ میں ہے جب کہ وہ ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہو (ان کی خدمت کرتا ہوں) اور ان دونوں کے حق ادا کرتا ہو ابوہریرہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں دوسال تک رکا رہا میں کوئی غزوہ نہ کرتا یہاں تک کہ میری ماں مرگئی۔ ■■■

ص ۱۴ / کا بقیہ ..........

اور علم فقہ خصوصاً اختلافی مسائل اور لڑائی جھگڑے کے سیکھنے میں مبالغہ کرتا ہے، حالانکہ شہر میں فقہا کرام اس قسم کے جو فتوے دیتے ہیں اور مقدمات میں جو جواب لکھتے ہیں، بہت ہیں، جواب ہمیں کوئی یہ بتائے کہ جب کچھ لوگ اس فرض کفایہ کی بجا آوری پر مستعد ہیں تو فقہائے دین کس طرح اسے سیکھنے کی اجازت دیں گے اور طب کے لئے جو کوئی نہیں جانتا، چھوڑنے کا حکم کرنے کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ طب پڑھنے کی وجہ سے اوقاف اور وصیت کا متولی ہونا اور یتیموں کے مال کا محافظ ہونا اور عہدۂ قضا اور حکومت کا ملنا اور ہمسروں پر اس کی وجہ سے مقدم ہونا اور دشمنوں پر غالب ہونا میسر نہیں۔ ■■■

ص ۳۹ / کا بقیہ ..........

کہ اتفاق سے مَیں بھی وہاں موجود تھا، پھر کیا ہوا کہ حضور کا بیٹا، حضور کا جگر پارہ، حضور کی اولاد سے، حضور کا لخت جگر، وہاں حضور کی بارگاہ میں گزارش کی اور وہاں کھڑا رہا کہ حضور مَیں نے اب جواب اُس طرح کا نہیں لینا ہے ستر ہزار آدمی نے دیکھا کہ قبر مبارک سے حضور کا دست مبارک باہر آیا اور حضرت امام رفاعی نے اس ہاتھ کو چوما اور بوسے دیے اور ان کی برکت سے جو مسجد نبوی میں اس وقت لوگ موجود تھے، سب نے حضور کے مبارک ہاتھ کی زیارت کرلی۔

اسی لیے امام مالک امام دارالہجرہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور کے روضے کی زیارت کر کے آئے، باقی تین ائمہ کہتے ہیں کہ وہ کہیں کہ مَیں حضور کے روضے کی زیارت کر کے آیا، لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ وہ کہے کہ میں حضور کی زیارت کر کے آیا، اس لیے کہ حضور نے فرمایا کہ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی اور حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ من زار قبری وجبت له شفاعتی۔ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی، قیامت کے دن اس کی شفاعت میرے لئے واجب ہوگی۔

تو آؤ سرزمین مکہ حرم الٰہی کے انوار بھی لوٹیں اور سرزمین مدینہ میں حضور کی رحمتوں کے سائے تلے بھی بیٹھیں، مکہ بھی برکت والا مدینہ بھی برکت والا، مکہ اور مدینہ کی حاضری کے کیا کہنے، وہاں کی بہار و برکات کا ذکر جمیل تو ایک دل گداز کہانی کی طرح ہے جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے، کبھی ختم نہیں ہوسکتا، ایک ایک لمحہ صدیوں پر محیط ہوتا اور ایک کہانی دو لفظوں میں سناؤں تو کعبۃ اللہ پر پہلی نگاہ بڑی مشکل ہے اور روضۂ رسول پہ آخری نظر بڑی مشکل ہے، اللہ کریم مجھے اور آپ کو بار بار سفر حرمین شریفین نصیب فرمائے، آمین! بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ■■■

از: مولانا پیرزادہ محمد رضا ثاقب مصطفائی

# حج اور اس کے مقاصد

مرتب: وسیم احمد رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

یہ موسم حج ہے اور گلی گلی سے اہل محبت کے قافلے سوئے حرمین رواں ہو رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج لازم ہے، جب کہ وہ راستے کی استطاعت رکھے۔

حج لغت میں قصد کو کہتے ہیں، اصطلاح شریعت میں مخصوص ارکان کی ادائیگی کے لیے حرمین کے سفر کی جو نیت کی جاتی ہے اور وہاں حاضری کے لیے بندہ پہنچتا ہے اس کو حج کہتے ہیں، حضور نبی رحمت، رسولِ محتشم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان حج کرتا ہے تو اس طرح گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے، جس طرح کہ ابھی ماں کے پیٹ سے اس نے جنم لیا ہو، حج ماقبل کے تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور اگر کوئی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا تو حدیث میں سخت وعیدیں موجود ہیں، حضور کے ایک فرمان کے مطابق جو شخص استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا فرمایا کہ وہ یہودی مرے یا عیسائی مرے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے اور ایک حدیث کے لفظ ہے کہ حج میری امت کے ضعیف لوگوں کا جہاد ہے، حج کی فضیلت کے عنوان سے کتب احادیث کے اندر بہت کچھ موجود ہے، صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے، پانچ سال کے بعد جو حج کی تاکید کتب احادیث میں موجود ہے، علما نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے کہ جو غنی ہے صاحبِ استطاعت ہے اس کو چاہیے کہ وہ پانچ سال کے بعد حج کریں لیکن فرض زندگی میں صرف ایک مرتبہ ہے، ایک مرتبہ واجب ہوا اس نے ادا کرلیا تو وجوب اتر گیا لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ پانچ سال کے بعد کرلیں اگر وہ استطاعت رکھتا ہے، چوں کہ حج کرنے سے اللہ تعالیٰ غنا عطا فرماتا ہے، جب بندہ حج کرے اللہ اسے غنی کر دیتا ہے، اس کے رزق میں بھی برکت عطا فرماتا ہے، اس کے دین میں بھی برکت عطا فرماتا ہے، ایک حدیث کے لفظ ہیں حضور نے ارشاد فرمایا کہ حج کرو غنی ہوجاؤ گے سفر کرو صحت پاؤ گے، تو حج سے غنا ملتا ہے سفر سے صحت ملتی ہے۔

زندگی میں ایک مرتبہ حج کی فرضیت پر دلیل وہ معروف روایت ہے جو آپ نے متعدد مرتبہ علما سے سماعت کی ہوگی کہ حضور نے ارشاد فرمایا لوگو! حج کے لیے آیا کرو، ایک شخص نے عرض کی حضور ہر سال آیا کریں؟ آقا کریم خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، اس نے پھر پوچھا: حضور ہر سال آیا کریں؟ ہر سال حج فرض ہے؟ حضور خاموش رہے، جواب مرحمت نہیں کیا، اس نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا تو آقا کریم نے پھر خاموشی اختیار کی، پھر وقفۂ سکوت توڑتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پچھلی اُمتیں کثرت سوالات کی وجہ سے ہلاک کردی گئیں **لو قلت نعم لوجبت** اگر میری زبان سے ہاں نکل جاتی تو (حج) واجب ہی ہوجاتا۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

کہا اگر میری زبان سے ہاں نکل جاتی تو واجب ہی ہوجاتا، تو حضور کا اختیار فی الشریعت سمجھ میں آیا کہ حضور جو کہیں وہی دین ہوتا ہے، قربِ قیامت کے فتنوں میں سے ایک فتنہ حضور نے آج سے صدیوں قبل بیان فرمادیا۔

نسائی شریف کی روایت ہے حضور نے ارشاد فرمایا قرب قیامت میں کچھ لوگ کہیں گے کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا، حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا، فرمایا: **انما اُعطیت القرآن و مثله معه** ۔ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور قرآن جیسے اور علم بھی میرے سینے میں رکھ دیئے ہیں، تو جس کو میں حلال قرار دے

* مضمون نگار ادارۃ المصطفےٰ، پاکستان کے امیر ہیں۔

دوں، وہ ایسے ہی ہے جس طرح اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور جس کو میں حرام قرار دے دوں، وہ ایسے ہی ہے جس طرح اللہ نے حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ مصطفیٰ اپنی مرضی سے نہیں بولتے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى**۔[سورۃ النجم، آیت ۳، ۴] جو مالک کی مرضی ہوتی ہے وہی مصطفیٰ کی بولی ہوتی ہے، اس لیے جو حضور فرما دیں وہ ہی دین ہوتا ہے، تو اس نے عرض: کی حضور کیا ہر سال حج فرض ہے؟ تو آقا کریم نے فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتیں نبیوں پر کثرتِ سوالات کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں، **لو قلت نعم لوجبت** اگر میری زبان سے ہاں نکل جاتی تو واجب ہی ہو جاتا۔

زندگی میں ایک مرتبہ حج فرض ہے، حضور نے حج کی فضیلت کے بارے میں بہت کچھ ارشاد فرمایا اور ایک روایت کے لفظ ہیں کہ ایک حج ایسا ہے جس سے تین آدمیوں کی مغفرت ہو جاتی ہے اور وہ حجِ بدل ہے، کوئی اپنے والدین کی طرف سے، اپنے کسی عزیز کی طرف سے کسی کو حج کروائے تو ایک جس نے حج کیا، اس کی بخشش ہوگئی، ایک جس نے حج کروایا اس کی بخشش ہوگئی اور ایک جس کی طرف سے حج کیا گیا اس کی بخشش ہوگئی، تو یہ حج ایسا ہے، ایک حج سے تین آدمیوں کی مغفرت فرما دی جاتی ہے۔

**حج کا پہلا اور بنیادی مقصد:** حج کا مقصد کیا ہے؟ حج کیوں کیا جاتا ہے؟ اس پر کچھ باتیں میں آج کی اس نشست میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہوں گا، حج کا بنیادی مقصد اور ہر نیک عمل کا بنیادی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے، انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے، ہر نیک عمل کا مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے، قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا کہ تمہاری قربانی کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا بلکہ تمہارے دل کا وہ تقویٰ اللہ کو پہنچتا ہے جس کے لیے تم نے قربانی کی ہے، گوشت خود کھا لیتے ہو، خون گلیوں میں بہہ جاتا ہے، کھالیں مدارس میں چلی جاتی ہیں، مختلف تنظیمات لے جاتی ہیں، تو اللہ کو کیا پہنچا؟ تو کہا تمہارے دل کا جو تقویٰ ہے، جو خلوص و للّٰہیت ہے، اللہ کی رضا جوئی کا جو جذبہ ہے وہ جذبہ اللہ کو پہنچتا ہے، تو ہر نیک عمل کی بنیاد اللہ کی رضا ہے اور اگر اللہ کی رضا کے لیے کوئی عمل نہ کیا گیا تو وہ نیک عمل نہیں ہے اور صرف ریا کاری کو شرک اصغر کہا گیا ہے، ورنہ انسان جو نیکیاں کرتا ہے اچھے کام کرتا ہے کسی کو شرک نہیں کہا گیا، ریا کاری کو شرک اصغر کہا گیا ہے، جب اللہ کے علاوہ بندہ کسی اور کے لیے نیک عمل کرتا ہے، وہ نیک عمل نہیں ہوتا اس کو شرک اصغر کہا گیا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرمائے گا کہ جن کے لیے تم نے یہ عمل کیے تھے ان سے اس کا اجر لے لو، میرے لیے تو تم نے نہیں کیے تھے، جن کے لیے کیے تھے اُن سے اِن کا اجر لو، تو کوئی وہاں اجر دینے کی صلاحیت بھلا کیسے رکھتا ہوگا؟ تو جب بھی انسان نیک عمل کریں تو بنیادی فلسفہ یہ ہونا چاہیے کہ مَیں اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں اور **انما الاعمال بالنیات** سے بھی یہی مراد ہے کہ اعمال کا دار و مدار حسن نیت پر ہے، خلوص پر ہے تو دیگر اعمال کی طرح حج کا بھی پہلا بنیادی مقصد اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔

**حج کا دوسرا مقصد:** حج مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے، اسلام نے ایک نظام دیا، محلے کی سطح پر مسلمانوں کا اجتماع، نماز باجماعت ہے، علاقے کی سطح پر مسلمانوں کا اجتماع جمعۃ المبارک ہے، شہر کی سطح پر مسلمانوں کا اجتماع عیدین ہے اور عالمی اجتماع حج ہے، یہ ترتیب ہے اسلامی نظم کی اور اسلامی اجتماعیت کی، حج مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے اور عرفات کی حاضری حج کے بنیادی ارا کین میں سے ایک رکن ہے کہ چاہے چند لمحوں کے لیے عرفات میں آپ جائیں تو ہی حج ہوگا اگر عرفات کی حاضری نہ ہو سکی تو حج ادا نہیں ہوگا، تو عرفات کے اندر یوم حج کو خطبہ دیا جاتا ہے، جس کا سننا مسنون ہے۔

خطبۂ حج میں امام حج یا امیر حج کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کی روشنی میں مسلمانوں کے عالمی اجتماع کی رہنمائی کریں، حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا خطبہ حج ہمارے سامنے ہے، اس وقت جو حالت ہے مسلمانوں کی وہ کسی سے مخفی نہیں اور حج کے موقع پر چاہیے تو یہ کہ امیر حج پورا سال محنت کریں، اپنی ٹیمیں مختلف علاقوں میں بھیج کر تجزیہ کریں کہ مسلمان اس وقت پوری دنیا سے پیچھے کیوں رہ گئے ہیں اور جو سازشیں کرنے والے اہل اسلام کو ہر وقت ظلم و جبر کی چکی میں پیس رہے ہیں، ان سے چھٹکارا کیوں کر ممکن ہے، وہ پوری دنیا کے آئے ہوئے نمائندوں کو پورے

سال کا لائحۂ عمل دیں کہ تم نے اپنے اپنے علاقوں میں جا کے یہ کرنا ہے اور اس پیغام کو آگے لوگوں تک پہنچانا ہے، پھر پورا سال اس کی نگرانی ہوتی رہے اور سال کے بعد تجزیہ کیا جائے کہ کمی بیشی کیا ہے، کتنے فوائد ہوئے اور کہاں تک ہم نے اپنا ہدف حاصل کیا اور ترمیم و تنسیخ کے ساتھ نیا منصوبہ، نیا لائحۂ عمل لوگوں کے سامنے رکھا جائے اور دنیا کے کونے کونے سے آئے لوگ حرم کے اس تحفے کو اپنے ساتھ لے جائیں اور پوری دنیا میں پھیلا دیں، جب سے برٹش گورنمنٹ کی نوآبادیاتی وزارت کے جاسوسوں نے سلطنت عثمانیہ کو توڑا اور اسلام کی اجتماعیت پر چرخہ لگایا تو اسلام کا یہ نظام کافی حد تک کمزور پڑ گیا، ڈاکٹر اقبال پھوٹ پھوٹ کے روئے تھے کہ ؎

دیکھ مسجد میں شکست رشتۂ تسبیح شیخ
بت کدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

یہ ایک الگ دکھڑا ہے، الگ کہانی ہے کہ ہمفرے کس طرح یہاں داخل ہوا، کس طرح سلطنت عثمانیہ کو توڑنے کے لیے کن کن لوگوں کو خریدا، کیا کیا ہوا اور پیچھے کون کون سے جبہ و دستار والے لوگ تھے اور پھر خلافت کی رہی سہی جو ساکھ موجود تھی وہ ساکھ ہی ختم کر دی گئی، ورنہ یہ حال اس وقت جو امت کا ہو رہا ہے اگر سلطنت عثمانیہ موجود ہوتی تو کم از کم یہ حالت اس وقت امت کی نہ ہوتی، تو یہ باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ایسا کیا گیا اور اس وقت ہم پوری دنیا میں ۵۶ ملکوں میں اور مختلف گروہوں، زبانوں، نسلوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہماری طاقت یک جا نہیں ہو پا رہی اور اتنی کثرت کے باوجود ہمیں ویٹو کا حق بھی حاصل نہیں اور دنیا میں جس قعرِ مذلت میں ہم گرے ہیں، العیاذ باللہ!

اسی کشتی کو ہے خوف تلاطم صد حیف
منہ موڑ دیے تھے جس نے بڑھتے ہوئے طوفانوں کے

ہم تو ۳۱۳ رہو کے بھی جبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے اور آج ایک ارب سے متجاوز ہیں لیکن ہماری جو حالت ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں کابل میں، قندھار میں، تکریت میں، موصل میں، بغداد میں، آزربائیجان میں، القدس میں، کشمیر میں، بوسینیا میں، جہاں بھی دیکھیں مسلمانوں کا ہی خون بکھرا ہوا ہے اور گوانتانا موبے کی جیلوں کے اندر اس سردی میں ان مظلوموں کے ساتھ جو ظلم ہو رہا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے، کلیجہ پھٹتا ہے، دل زخمی ہوتا ہے۔

حج کا اجتماع مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے اور اس اجتماع کے موقع پر پوری دنیا کے مسلمانوں کو وہ چیز دینی چاہیے تھی جس سے وہ دوبارہ عروج کی طرف سفر کرنا شروع کر دیں، ڈاکٹر اقبال نے ایک بڑی ہی خوبصورت بات کہی تھی ؎

اقبال کوئی پوچھے یہ زائرین حرم سے
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ اور نہیں

جو بھی جاتا ہے آب زم زم لا کے ہمیں پلاتا ہے، اقبال کہتے ہیں کہ وہاں سے جو نور لے کے آئے ہو، جو پیغام لے کر آئے ہو وہ پیغام بھی تو ہمیں دو نا! کھجوریں اور آب زم زم ہمیں پلا دیتے ہو؛ حرم کا اور بھی تحفہ ہے جو لینے کے لیے تم وہاں گئے تھے، تو یہ ایک بنیادی مقصد ہے کہ مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے اور عالمی لیول کے جو مسلمانوں کے مسائل ہیں؛ مَیں یہاں گفتگو کروں یا مَیں عملی طور پر کوشش کروں اس سے کچھ بہتری تو آسکتی ہے لیکن عالمی مسائل کا حل وہاں سے ہیں اور اگر عرب اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں اور جرأت و پامردی کا مظاہرہ کریں اور دن رات ایک کر دیں اور منصوبہ بندی کریں اور حج کے موقع پر اس پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں تو مسلم امہ پھر متحد ہو سکتی ہے اور وہ خواب جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا خواب ہے، وہ شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے، یہ حج کا دوسرا بنیادی مقصد تھا کی مسلمانوں کو عالمی اجتماع دیا گیا ہے۔

اجتماع کرنے کے لیے کئی کچھ کیا جاتا ہے لیکن اس اجتماع کے لیے اللہ نے لوگوں کے دلوں میں کشش پیدا فرما دی، جب کوہِ ابوقبیس پہ چڑھ کے جناب ابراہیم کو آواز دینے کے لیے کہا گیا تو عرض کی مالک میری نحیف و نزار آواز کہاں تک پہنچے گی؟ کہا: اے ابراہیم علیک السلام! آواز دینا تیرا کام، اس کو لوگوں تک پہنچا دینا یہ ہمارا کام ہے اور پھر ماں کے شکم میں اور باپ کی

صلب کے اندر تک اس آواز کو پہچا دیا گیا اور جس نے اس آواز کو سنا آج لبیک لبیک کہتا ہوا شوق و مستی میں دوڑتا ہوا حرم کی طرف دوڑتا چلا جارہا ہے تو یہ مسلمانوں کا عالمی اجتماع ہے، اس کے جو فوائد تھے، کاش کہ وہ حاصل کیے جاتے۔

**حج کا تیسرا مقصد:** مساوات کا عملی اظہار، اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک تعلیم مساوات ہے کہ سب لوگ برابر ہیں، رنگ و نسل کی بنیاد پر، دولت افراد کی کثرت کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی جاسکتی: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللہِ اَتْقَاکُمْ۔ یعنی تم میں جو سب سے زیادہ تقوے کا نور اپنے سینے میں رکھتا ہے، وہی زیادہ عزت والا ہے۔ [سورۃ الحجرات، آیت ۱۳]

یہ اسلام کا وہ بنیادی درس اور سبق ہے کہ جس سے شکستہ دل لوگ، درماندہ لوگ، غریب طبقہ، غلام لوگ کا اسلام کی طرف میلان ہوا اور وہ کھنچے چلے آئے، ان کو ان کے حقوق اسلام نے دیئے، آج حقوق نسواں کے حوالے سے بڑی بڑی باتیں تو خوب ہو رہی ہیں لیکن عملی طور پر کچھ نہیں ہو رہا، یہ اسلام ہی کا فیضان ہے جو لوگ بیٹیوں کے حقوق دینا تو دور ان کے وجود کو بھی گوارا نہیں کرتے تھے، آج وہ اپنی بیٹیوں کی بلائیں لیتے نہیں تھکتے، بیٹی کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے بوڑھا باپ اپنی جھکی ہوئی کمر پر بوریاں لادلاد کے مزدوریاں کرتا ہے اور فیکٹری کے اندر بھائی اُور ٹائم لگا رہا ہے کہ مَیں نے اپنی بہن کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں، یہ بھائی تو قتل کرتا تھا اپنی بہن کو کہ کل کوئی میرا بہنوئی نہ ہو، یہ باپ تو زندہ در گور کرتا تھا کہ مَیں کسی بیٹی کا باپ نہ کہلاؤں، تو باپ کے دل میں بیٹی کے لیے یہ محبت، بھائی کے دل میں بہن کے لیے یہ پیار کہ وہ اس کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں اور جب بیٹی گھر سے رخصت ہوتی ہے تو باپ بھی پھوٹ پھوٹ کے روتا ہے اور بھائیوں کے آنسو بھی خشک نہیں ہوتے۔

یہ تو قاتل تھے بیٹیوں کے، بیٹیوں اور بہنوں کے لیے ان کے دل میں یہ گداز، نرمی اور محبت کس نے ڈالی ہے؟ آمنہ کے لال کا یہ عطیہ ہے، عورتیں اگر ساری زندگی بھی سجدۂ شکر ادا کرتی رہیں تو وہ حق شکر ادا نہیں کرسکتیں، ان کے وجود تک کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا، یہ ان کے وجود کو عزت بخشی ہے تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی، عورتوں کو تحفظ اسلام نے دیا ہے، جس ماں کو ترکے میں بانٹتے تھے، اس ماں کے قدموں میں جنت ڈال دی، کہا: تیری جنت اس ماں کے قدموں تلے ہے اور یہ شرط نہیں لگائی کہ ماں قاریہ قرآن یا حافظہ قرآن ہو یا اپنے وقت کی رابعہ بصریہ ہو تب اس کے قدموں تلے جنت ہے، اُپلیں تھاپتی ماں کے قدموں تلے بھی بیٹے کی جنت بتائی گئی، بہنوں کو عزت کی مسند پہ بٹھا دیا گیا، بیٹی کو باپ کے لیے دل کی دھڑکن بنا دیا گیا، آنکھوں کا نور اور چین بنا دیا گیا، گھر کی زینت بنادی گئی اور بیوی جس کو پاؤں کا جوتا خیال کیا جاتا تھا، اس کو محبوبہ بنا کے خاوند کے لیے محبتوں کے گوشے اس کے سینے کے اندر رکھے گئے اور حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کی جو داستانیں رقم کیں، لوگوں کے لیے عملی نمونہ چھوڑا، کسی کو حمیرہ کہہ کے پکارا، کسی کی فوتگی (وفات) کے بعد جانور ذبح کرکے ان کی سہیلیوں کے گھر گوشت بھیج رہے ہیں تاکہ ان کی روح کو آسودگی ہو، حضرت فاطمۃ الزہرا فرماتی ہیں کہ جب میری والدہ کا وقت آخر آیا تو حضور کی خدمت میں میری ماں نے بھیجا کہ جاؤ حضور سے کہو کہ مجھے اپنی چادر رحمت دے دیں، مَیں حاضر ہوئی اور عرض کی تو حضور نے فرمایا کہ بیٹا اپنی ماں سے پوچھو کہ چادر کیا کرنی ہے؟ میں پوچھنے آئی تو حضور بھی پیچھے آگئے تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ حضور مَیں نے اس لیے چادر مانگی ہے کہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرا وقت آخر آگیا ہے، میری آرزو یہ ہے کہ اس چادر میں مجھے کفن دیا جائے، اب سنئے حضور کے الفاظ! عورتوں کے حقوق کی بات کرنے والے اس بلندی پہ سوچ بھی نہیں سکتے، جب حضور کی زوجۂ محترمہ نے چادر مانگی تو آقا کریم کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے اور فرمایا: اے خدیجہ! تُو نے تو صرف چادر مانگی ہے لو اردت جلدی لاعطیتك۔ اگر تُو میری جلد بھی مانگ لیتی تو مَیں وہ بھی دیدیتا، یہ اسلام کے دیئے ہوئے حق ہیں، اللہ اکبر۔

اسلام نے کمزوروں تک کو ان کے حق دیے ہیں، یہ ایک الگ مضمون ہے کہ غلاموں کو ان کے حق دیے، غریبوں کو ان

کے حق دیے، یتیموں کو ان کے حق دیئے، اسلام نے کمزوروں کو غریبوں کو بنیادی حق دیا کہ سب انسان برابر ہے، تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت ہے، جب فاران کی چوٹیوں سے نور اسلام چمکا تو عرب کے سب سے کالے رنگ کا اسود نامی ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر میں اسلام لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ حضور نے فرمایا کہ جو ابوبکر و عمر کو ملا ہے وہی تمہیں ملے گا، جو حقوق و فرائض ان کے ہیں، وہی حقوق و فرائض تیرے ہوں گے، جس صف میں وہ کھڑے ہوتے ہیں، اسی صف میں تُو بھی کھڑا ہوگا اور اگر تو پہلے آجائے اور وہ بعد میں آئیں تو تُو اگلی صف میں کھڑا ہوگا اور وہ پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے، اس نے کہا کہ اگر اسلام یہ ہے تو میں پھر دل و جاں سے اس دین کو قبول کرتا ہوں، ڈاکٹر اقبال مساوات کی بات کے تعلق سے اسرار و رموز کے اندر لکھتے ہیں۔ ع

اسود از توحید احمر می شود

یعنی کہ اسود توحید کے فیضان سے احمر ہو جاتا ہے، گوری رنگت والوں کے کندھوں سے کندھا جوڑ کے وہ کھڑا ہوتا ہے۔

یہ اسلام کا دیا ہوا درسِ مساوات ہے کہ سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے، یہ اسلام کا درسِ مساوات ہے کہ اس نے سب کو ایک صف میں کھڑا کیا اور معیار فضل ''تقویٰ'' رکھا، تقویٰ کے معیار پر سب انسان ایک دوسرے سے فضیلت لے سکتے ہیں ورنہ ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

اسلام کے اس درس مساوات کا عملی اظہار حج کے موقع پر ہوتا ہے، غریب امیر، بادشاہ اور گدا، کالا اور گورا، عجمی اور عربی سب ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں، ایک ہی رکن ادا کر رہے ہوتے ہیں اور ایک ہی تلبیہ سب کی زبان پہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی شخص حج کے اس اجتماع میں جہاں درس مساوات دیا گیا، وہاں سے آکر دوبارہ اونچ نیچ اور تفریق میں مبتلا ہوں تو سمجھو کہ اس نے حج کا نور حاصل نہیں کیا۔

یہ مساوات کا درس! حج کا درس ہے، اس بات کو اچھی طرح سے ذہن میں رکھا جائے اور اپنی عملی زندگی کے اندر ترجیح اس کو دی جائے جو تقویٰ والا ہے، اگر معاشرے میں علما و مشائخ اور دیگر ذمہ دار افراد یہ شعور دیں گے کہ جس کے پاس تقوے کا نور زیادہ ہے، وہ معزز ہے تو دیکھنا مسجدوں کی رونقیں بڑھتی ہیں یا نہیں تو یہ حج کے موقع پر اسلام کا عملی درسِ مساوات ہے۔

اگر ہم پسے ہوئے طبقوں کو عزت دیں گے اور انسانی وقار کو ملحوظ رکھیں گے اور اسلام کا جو مساوات کا درس ہے اس درس کو ہر صورت میں ملحوظ رکھیں گے تو معاشرے میں طمانیت ملے گی، غریب کو بھی سکون ملے گا اور امیر کو بھی سکون ملے گا اور وہ لوگ قابل داد ہیں، جو دولت کی کثرت کے باوجود تکبر کی اس خصلت سے اور نمایاں ہونے کی اس آرزو سے مبرا ہیں، ایسے لوگوں کی کمی بھی معاشرے میں نہیں ہے، جگہ جگہ ہمارا بھی جانا ہوتا ہے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ دولت کی کثرت کے باوجود ان کے اندر عجز، خاکساری اور انسانی ہمدردی کے جو جذبے ہیں وہ قابلِ داد ہیں اور میں ان کو جتنی بھی داد دوں وہ کم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عزتوں میں مزید فراوانی عطا فرمائے، گلی گلی، کوچے کوچے ایسے اچھے لوگ بھی بکھرے ہوئے ہیں، حج کا یہ تیسرا مقصد تھا۔

**حج کا چوتھا مقصد:** ہمیں ہمارے ماضی سے جوڑنا ہے، ہمارا جو ماضی ہے، ہماری جو تاریخ ہے اس سے ہمیں جوڑنا یہ حج کا چوتھا مقصد ہے، آپ دیکھ لیجیے، ملاحظہ کرلیں پورے حج کو، ہم ملت خلیل سے ہیں اور ہمیں ماضی سے جوڑا گیا ہے، طوافِ کعبہ ہے پہلے چکر رمل کے لگائے جاتے ہیں ''رمل'' کیا کہ جس طرح پہلوان اکھاڑے میں چلتا ہے، تھوڑا سا ٹہل ٹہل کے، کندھے جھکا جھکا کے، اس طرح طواف کرنا، پہلے چکر رمل کے لگاؤ، اللہ کا گھر اور اکڑ کے چلیں؟ لیکن تاریخ دیکھو تو یوں ماجرہ سامنے آیا کہ فتح مکہ کے دن کافر چھتوں پر تھے، ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمان شب و روز جنگوں کی محنت، دین کے لیے تگ و تاب، جدو جہد میں مصروفیت کی وجہ سے سخت کمزور تھے، کافروں نے کہا: دیکھو مکہ میں تھے تو آسودہ تھے یہاں سے چلے گئے تو دیکھو کیا حال ہو گیا ہے، آقا کریم نے فرمایا کہ تم ذرا ٹہل کے چلو تاکہ انہیں پتا چلے ہم کمزور نہیں تگڑے ہیں، ان کو دکھلانے کے لیے اس انداز کے ساتھ پہلے چکر رمل کے لگوائے اللہ کے گھر کے سامنے، اب کفار چھتوں پر موجود نہیں ہوتے، علت ختم ہو گئی، جب

علت ختم ہوئی تو معلول بھی ختم ہونا چاہیے تھا، لیکن علت ختم ہوئی معلول ختم نہیں ہوا، چکر اسی طرح لگائے جاتے ہیں، گو کافر نہیں دیکھ رہے، یار کی سبت کو تو ادا کرنا ہے، تو یہ ماضی سے ہمیں جوڑا جارہا ہے، ہمارا ذہن پلٹ کے ادھر چلا جاتا ہے اور فتح مکہ کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے اور اسلام کی شان وشوکت سمجھ میں آتی ہے، اب طواف کرلیں تو حجر اسود کو چومنا ہے، حجر اسود ایک پتھر ہے سیاہ رنگت کا اور اس کو بڑھ بڑھ کر چوما جاتا ہے، انسان اپنی اکلوتی اولاد کے لیے اتنی کشش نہیں پاتا، اپنے دل میں جتنی اس پتھر کے لیے پاتا ہے تو کیا کشش ہے اس پتھر میں؟

حضرت عمر فاروق طواف کرتے کرتے رک گئے اور کہا: اے حجر اسود! میں تجھے کبھی نہ چومتا اگر میرے رسول نے نہ چوما ہوتا، اب حجر اسود کے بعد آئیں، مقام ابراہیم پہ آکے دو نفل پڑھیں، اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس کو مصلیٰ بنالو، کیوں کہ اس پتھر پہ میرے خلیل علیہ السلام کے قدم لگے ہیں، میرے گھر کا طواف کرلیا لیکن محبت کی ریت سمجھتے ہو اتنی دیر تک طواف نہیں مانوں گا جتنی دیر تک تمہاری پیشانی وہاں نہ آئے جہاں میرے یار کے قدم آئے ہیں، کہا اس کو مصلیٰ بنالو، قریب نماز پڑھو، سیدھ میں نماز پڑھ لو، اس کے آس پاس جہاں تمہیں جگہ ملتی ہے نماز پڑھ لو، یہاں نماز پڑھو گے اللہ تمہاری نماز قبول کرے گا اور حج بھی قبول کرلے گا۔

ذرا غور کیجئے! اسلام نے تو پتھروں سے دور نہیں ہٹایا؟ پتھروں سے ہٹایا ہے پتھر توڑے گئے ہیں لیکن حجر اسود بھی پتھر، مقام ابراہیم بھی پتھر ان پتھروں کے قریب کیا جارہا ہے، پتھروں سے دور کیا، اِن پتھروں کے قریب کیا جارہا ہے کہا، یہ وہ پتھر ہیں جن پر کسی کے قدم لگے ہیں کسی کے لب لگے ہیں، اس لیے ان پتھروں کے قریب کیا جارہا ہے۔

اب آگے آئیے، چاہِ زم زم پہ! چشمہ پھوٹ رہا ہے، پانی کھڑے ہوکے پئیں، جو دعا مانگیں پوری ہوگی، جس نیت سے پئیں پوری ہوگی، دنیا کے اوپر جتنے بھی چشمے جاری ہیں، وہ کشمیر میں ہوں یا دنیا کے کسی اور خطے میں، ان چشموں کو بھی جاری کرنے والا کون ہے؟ اور چاہِ زم زم کو جاری کرنے والا کون؟ سب چشموں کا خالق اور جاری کرنے والا اللہ، تو اس چشمہ کو بھی جاری کیا، باقی دنیا کے چشموں کو بھی اللہ ہی نے جاری کیا، لیکن اس چشمے کا پانی کھڑے ہوکر پئیں، یہ اس کا پروٹوکال ہے، اعزاز ہے، باقی چشمے بھی اللہ کے جاری کردہ ہیں، اس میں کیا خصوصیت ہے؟ اس لیے کہ اس چشمے نے اللہ کے نبی کے قدموں کے بوسے لیے ہیں، حضرت خلیل علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدموں کے بوسے لیے ہیں اور جس نیت سے پیو، علما کہتے ہیں اس نیت کو اللہ پورا فرمادیتا ہے۔

صحن حرم میں بڑا ہجوم تھا، ایک بہت بڑے محدث آئے ہوئے تھے، لوگ ان کی زیارت کے لیے بڑھتے تھے، رش بڑا تھا، جو شخص مصافحہ کرتا دھکا لگتا آگے چلا جاتا پھر دوسرا آدمی آجاتا، ایک آدمی نے دیکھا، اس کا جی چاہا کہ میں ان بزرگ کے پاس چند لمحوں کے لیے بیٹھوں، چوں کہ اللہ والوں کی صحبت بہت بڑی دولت ہے، اگر مل جائے تو غنیمت سمجھنا چاہیے، تو وہ چاہِ زم زم پہ آیا، آبِ زم زم پیا اور پھر ان بزرگوں کے پاس جاکر کہنے لگا کہ ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں، انہوں نے کہا پوچھو، کہا: سُنا ہے آبِ زم زم جس نیت سے پیو، وہ پوری ہوجاتی ہے تو کیا یہ ٹھیک ہے؟ وہ محدث، جن کے پاس ایک لمحہ بھی نہیں تھا، لوگ لائن میں آتے اور آگے جاتے، کہتے ہیں: ہاں بالکل ٹھیک ہے، کہا پھر میں ابھی ابھی آبِ زم زم اس نیت سے پی کر آیا ہوں کہ آپ سے اللہ کے رسول کی ایک سو حدیثیں سنوں گا، یہ ہے میری نیت اور ابھی میں پی کر آیا ہوں، تو وہ محدث فرمانے لگے کہ پھر بیٹھ جا، باقی کام بعد میں ہوں گے، پہلے سَو حدیثیں سُن لے، تو معلوم ہوا کہ آبِ زم زم جس نیت سے پیا جائے، وہ پوری ہوتی ہے، کیا اعزاز ہے اس میں کہ اس نے اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم چومے ہیں۔

آگے آجائیں صفا مروہ پہ! میں یہ عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ حج کا یہ مقصد ہے کہ ہمیں ماضی سے جوڑا جارہا ہے، صفا مروہ، نصف میل کی دوڑ ہے اور ساتھ چکر میں ساڑھے تین میل بن جاتے ہیں، حاجی تھکا ہوا ہوتا ہے، لیکن اس کو یہاں حکم ہے دوڑنے کا اور وہاں عجیب مستی میں لوگ دوڑ رہے ہیں، بچے بھی بوڑھے بھی جوان بھی،

مرد وزن، جن سے دوڑا نہیں جاتا، ان کو ریلیوں کے اندر ڈالا ہوا ہے اور کھینچا جارہا ہے، وہ بھی دوڑ رہے ہیں، میلین اخضرین کے اندر تو عجیب سماہوتا ہے، سروں کا سمندر نظر آتا ہے، دوڑنا بھی کوئی عبادت ہے! دوڑے جارہے ہیں، مقصد کیا؟ حضرت ہاجرہ تو اس لیے دوڑی تھیں کہ ان کو بیٹے کے لیے پانی چاہیے تھا، حاجی کی بغل میں پانی کی باتل ہوتی ہے اور وہ تو اس لیے دوڑی تھیں کہ بیٹے کے لیے پانی کی تلاش تھی اور یہاں حاجی کے ساتھ بیٹا بھی دوڑ رہا ہوتا ہے، ماں بیٹا، باپ بیٹا اکٹھے دوڑ رہے ہوتے ہیں، پانی کی بوتل بغل میں ہے، لیکن دوڑ رہے ہیں تو کیا یہ پانی کے لیے دوڑ رہے ہیں؟ نہیں، بیٹے کے لیے دوڑ رہے ہیں؟ نہیں، یہ تو محبوب کی ادا کو ادا کر رہے ہیں اور حضرت ہاجرہ نے اس وادیِ غیر ذی ذرع کے اندر جس طرح جرأت واستقامت کا ثبوت فراہم کیا، آپ علما سے سنتے ہوں گے کہ جب جنابِ خلیل علیہ السلام سیدہ ہاجرہ کو چھوڑ کر واپس پلٹنے لگے تو یہ سحر کا وقت تھا، تو حضرت ہاجرہ نے بڑھ کے ان کا دامن تھام لیا تمسکت باذنہ دامن تھام کے پوچھنے لگیں: اس تنہائی اور غربت میں ہمیں چھوڑ کر کہا جارہے ہو؟ وہاں انسانی وجود کیا حیوانی وجود بھی نہیں تھا، مؤرخ اسلام حفیظ جالندھری اس جگہ کا نقشہ یوں کھینچتے ہوئے لکھتا ہے ؎

وہ وادی جس میں وحشت بھی قدم رکھتی تھی ڈر ڈر کے
جہاں پھرتے تھے آوارہ تھپیڑے بادِ صرصر کے
جہاں نہ گھاس اگتی ہے جہاں نہ پھول کھلتے ہیں
مگر وہ سرزمیں ہے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

مہیب پہاڑوں میں دن کوڈر لگے، عورت ذات اور معصوم بچہ گود میں، نہ پینے کے لیے کچھ ہے نہ کھانے کے لیے کچھ، نہ کوئی ہم سائیگی، عورت کا وجود، حضرت ہاجرہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام جب چھوڑ کے جانے لگے، دامن تھام لیا، کہا اس تنہائی اور غربت میں چھوڑ کے کہاں جارہے ہو؟ کوئی جواب نہ دیا، پھر قدم اٹھایا تو آگے بڑھیں، پاک طینت خاتون نے پھر دامن پکڑا اور کہا اس تنہائی میں ہمیں چھوڑ کر کہا جارہے ہو؟ جناب ابراہیم علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو تو ہے لیکن نہیں دیا، پھر قدم اٹھا تو پھر حضرت ہاجرہ نے دامن کو پکڑ کر کہا کہ اس غربت و تنہائی میں ہمیں چھوڑ کر کہا جارہے ہو؟ میرا نونہال جو میری امیدوں کا چراغ ہے، کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے، یہاں پانی بھی نہیں ہے اور مَیں عورت ذات، کہاں چھوڑ کے ہمیں جارہے ہو؟ حضرت خلیل علیہ السلام نے پھر جواب نہیں دیا، تو حضرت ہاجرہ نے بات کو بھانپ لیا اور کہا: کیا اللہ کا یہ حکم ہے؟ قَالَ نَعَم کہا: ہاں کہا پھر آپ جائیے، آپ خیر سے جائیے، اگر اس کا یہ حکم ہے تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا، کل ان پتھروں میں اللہ کی بندی حضرت ہاجرہ رکیں، جہاں دن کو ڈر لگتا ہے، جہاں مردوں کے کلیجے اور پتّے پانی پانی ہو جائیں، وہاں وہ خاتون رکیں، عورت کا وجود، معصوم بچہ گود میں تنہائی، غربت، کھانے کے لیے کچھ نہیں، پینے کے لیے کچھ نہیں، انسانی وجود کوئی نہیں، ہمسائیگی کوئی نہیں، حشرات الارض بھی نہیں پائے جاتے، زمین پہ گھاس بھی نہیں اُگی ہوئی تھی اور رات کا لمحہ حضرت خلیل چھوڑ کے جارہے ہیں، کہا جائیے آپ خیر سے جائیے، اگر اُس کے حکم پہ ہمیں چھوڑ کے جارہے ہو تو وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دے گا، اللہ اکبر! اللہ کی بندی حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا نے جرأت اور عزیمت کی جو داستان رقم کی اور پھر بیٹے کے لیے بے تابانہ دوڑ رہی ہے، کبھی صفا پہ کبھی مروہ پہ، اللہ کے حکم کے لیے یہ وہاں رکیں، کہا میری بندی میرے حکم کے لیے تو نے حد کر دی ایک عورت سے یہ تصور! کہ وہ اس تنہائی اور غربت میں رہے؟ اور پھر اس اعتماد اور یقین سے خاوند کو رخصت کریں کہ آنکھ کے گوشے کو بھیگنے بھی نہ دے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اگر آنکھ کا گوشہ بھیگ گیا تو کہیں یہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو جائے، یہ تیری استقامت، یہ تیری جرأت، تو پھر دیکھا گر تو نے یہ ساتھ چکر لگائے تھے تو تیری راہوں پہ نبیوں کو بھی دوڑاؤں گا، تیری راہوں پہ ولیوں کو بھی دوڑاؤں گا، قیامت تک لوگ دوڑتے رہیں گے، وہ اعزاز اور وہ پروٹوکول دیا کہ نبی بھی دوڑ رہے ہیں، ولی بھی دوڑ رہے ہیں، غوث قطب وابدال بھی دوڑ رہے ہیں، ان راہوں پہ کون کون نہیں دوڑا؟ خود امام الانبیاء ان راہوں پہ دوڑے ہیں، دن کو جائیں دوڑ لگی ہوئی ہے، رات کو جائیں دوڑ لگی ہوئی ہے، پچھلے پہر جو جائیں دوڑ لگی ہوئی ہے، سروں کا سمندر ہے، برستی بارش

میں دیکھیں دوڑ لگی ہوئی ہے، کڑکتی دھوپ میں دیکھیں دوڑ لگی ہوئی ہے، اب تو وہاں بڑا کچھ بن گیا ہے، جب کچھ نہی تھا پھر بھی دوڑ لگی تھی، کبھی وہ سعی موقوف نہیں ہوئی، لوگ دوڑے جا رہے ہیں دوڑے جا رہے ہیں، چاہیے کیا کچھ بھی نہیں چاہیے، پانی چاہیے، نہیں، بیٹا چاہیے، نہیں، دوڑ لگی ہوئی ہے، کہا میری بندی اب قیامت تک تیرے نام کے پھریرے لہراتے رہیں گے، اللہ اکبر!

اب آگے بڑھ جائیں، جب سعی مکمل کرلیں تو قصر کروائیں یا حلق کروائیں، سر منڈوادیں، یہ سر کیوں منڈوایا گیا؟ اس لیے کہ بال اتر جائیں پھر غسل ہوگا احرام اتر جائے گا پھر سر ہلکا پھلکا ہو جائے گا تروتازہ ہو جائے گا؟ یہ مقصد اگر ہوتا تو جس کے بال ہوتے اس کو تو حکم دیا جاتا، لیکن حکم یہ ہے کہ ایک شخص پیدائشی طور پر گنجا ہے، اس کے سر پر ایک بھی بال نہیں، اب اس کو حکم ہے کہ وہ خالی استرا لیں اور اپنے سر پہ پھیرے، وہ استرا اپنے سر کی جلد کے اوپر خالی پھیرے، کوئی اسے یوں کرتا ہوا تو دیکھے کہے گا کہ اس کی عقل ٹھیک ہے؟ سر میں تو بال بھی نہیں استرا پھیر رہا ہے! بال ہو تو استرا پھیرے، تو یہ اس سے کہے گا میاں بالوں کو اتارنے کے لیے استرا کوئی نہیں پھیر تا یہاں، یہ تو محبوب کی ادا کو ادا کیا جا رہا ہے۔

دیکھ لیں پورا حج، رمی جمار دیکھ لیں، شیطان کو کنکر مارے جا رہے ہیں، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو شیطان نظر آیا تھا، حاجی کو نظر آتا ہے؟ اسلام تو ایک لمحہ بھی بے مقصد گزارنے سے روکتا ہے، کہ ایک کام بھی بے مقصد نہ کرو، یہاں شیطان نظر بھی نہی آرہا اور پھر بھی کنکر پھینکے جا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آتا ہے لبوں پہ، ہم انگوٹھے چوم کے آنکھوں سے لگا لیتے ہیں، بعض طبیعتیں معترض ہیں، ہم کہتے ہیں مسند فردوس، دیلمی کی روایت ہے: حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چلتے تھے پیچھے آواز آتی تھی، پوچھا مالک یہ کیا ماجرہ ہے؟ کہا تیری پشت میں نورِ مصطفےٰ رکھا ہے، فرشتے اس کی زیارت کے لیے تیرے پیچھے چلتے ہیں، کہا: مالک وہ نور تو میں بھی دیکھنا چاہوں گا، کہا: پھر اپنے ناخنوں میں دیکھو، جب ناخنوں میں ظہور ہوا تو چوم کے آنکھوں میں لگا لیا، تو ہم بھی اس کو ادا کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو لکیر کی فقیری ہے، انہیں تو نظر آیا تھا تمہیں نظر آتا ہے؟ ہم کہتے ہیں منیٰ میں تمہیں نظر آتا ہے؟ تمہیں نظر نہیں آتا! لکیر کے فقیر وہاں بنتے ہو کہ نہیں؟ تم اُس لکیر کے فقیر ہو، ہم اُس لکیر کے فقیر بھی ہیں اور اِس لکیر کے فقیر بھی ہیں، نظر آئے یا نہ آئے لیکن ہم چوم کے آنکھوں سے لگاتے ہیں کہ یار کی سنت کو تو ادا کر رہے ہیں، تو پورا حج دیکھ لیں ہمیں ہمارے ماضی سے جوڑا جا رہا ہے، یہ حج کی ایک بنیاد ہے، حج کے اور بھی کچھ مقاصد ہیں لیکن یہاں کچھ باتیں، حج ہوگیا، واجبات بھی ادا ہوگئے، سنن بھی ادا ہوگئے اور اس کے اراکین بھی ادا ہوگئے، اب حج مکمل ہوگیا، اب کیا کریں؟ اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں ؎

حاجیوں آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کو حج یا عمرہ نصیب کیا ہے، اللہ انہیں بار بار نصیب کرے اور جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی، انہیں بھی بار بار نصیب کرے۔

مدینہ شریف شمال میں ہے مکۃ المکرمہ سے اور کعبۃ اللہ کا میزاب جسے پرنالہ کہتے ہیں اس کا رخ شہر محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے، تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں حاجیو! ذرا غور سے دیکھو، کعبہ کیا کہہ رہا ہے، بازو لکال کر بتا رہا ہے اگر قبولیت کی مہر لگانی ہے تو مدینے چلے جاؤ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضے پہ حاضری دینا قریب بہ واجب ہے، علمانے یہ لکھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔ جس نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے میرے اوپر ظلم کیا ہے اور قرآن مجید کی آیت گواہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ یعنی اے حبیب! اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو تیری چوکھٹ پہ آجائیں۔ [سورۃ النساء، آیت ۶۴]

اگر اپنی جان پہ ظلم کر بیٹھو تو محبوب کی چوکھٹ پہ آؤ اور پھر اللہ سے معافی مانگو، معافی ہو جائے گی؟ نہیں، رسول تمہارے لیے اللہ سے استغفار طلب کریں، تو تم معافی مانگنے آئے تھے اللہ بھی عطا کردے گا، لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ تم توبہ کے لیے آئے تھے،

اللہ رحمت بھی اپنی جناب سے دے گا۔ [سورۃ النساء، آیت ۶۴]

کیوں کہ محبوب کو جو ساتھ لے کر آئے ہو، یہ حضور کی ظاہری حیات میں بھی تھا، مسجد نبوی میں استوان ابی لبابہ اس پہ گواہ ہے، کہ حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو بندھوا دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حضور نہیں کھولیں گے میں اپنے آپ کو نہیں کھلواؤں گا اور جب آیت نازل ہوئی تو حضور کے غلاموں نے کہا بشارت ہو تیرے گناہ معاف کر دیے گئے، رسیاں کھولنے لگے، حضرت ابولبابہ نے کہا پیچھے ہٹ جاؤ حضور کھولیں گے تو میں اپنے آپ کو کھلواؤں گا، اس پر علما کا جزم ہے کہ انتقالِ ظاہری کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضے پہ جا کے گناہوں کی بخشش کا سوال کرنے کا حکم امت کو ہے اور یہ جاؤک میں شامل ہے۔

ابن کثیر مکی نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے، الجامع لاحکام القرآن میں امام قرطبی نے بھی نے لکھا ہے، صاحبِ مدارک نے بھی لکھا ہے اور بھی علما نے بلکہ مفسرین کی ایک جماعت نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ حضرت امام عطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضور کے روضے کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضور! میں اللہ کا یہ فرمان پڑھ کے کہ اگر اپنی جانوں پہ ظلم کر بیٹھو تو آپ کی چوکھٹ پہ آؤ، میں حاضر ہو گیا، اب میرے بھی گناہوں کی بخشش چاہیے اور اس نے دو شعر پڑھے، امام عطبی کہتے ہیں وہ فریاد کر کے چلا گیا، وہ چلا گیا میری آنکھ لگ گئی، آنکھ لگی تو مقدر جاگ اُٹھا، حضور کی زیارت نصیب ہوئی، یہاں میں بتا چکا ہوں، میرے سامعین اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک بات! حضور فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا، شیطان خواب میں آ کر بھی میری مثل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، دوسری بات! حضور نے فرمایا جس نے مجھے خواب میں دیکھا من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظہ وہ عنقریب جاگتے ہوئے بھی دیکھ لے گا، تیسری بات! جس کے خواب میں حضور آئے قصد اور مرضی سے آئے اور چوتھی بات! خواب میں اگر حضور نے کسی کو کچھ عطا کیا تو وہ محض وہم و گمان نہیں تھا، حقیقت تھی، اگر بوصیری کو چادر ملی تو صبح اٹھے تو کاندھے پہ موجود تھی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں اور یہ تمام مکاتب فکر کے نزدیک معتبر ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے والد شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اپنے دو بال عطا کیے، جب صبح اٹھے تو سرہانے پہ موجود تھے اور وہ ان کی زیارت لوگوں کو کروایا کرتے تھے اور آپ فرماتے ہیں کہ جس میں وہ موئے مبارک تھے اس صندوق کو لے کر ہم چلتے تھے تو بدلیاں سایہ کرتی تھیں، تو حضور نے خواب میں کسی کو کچھ عطا کیا تو وہ حقیقت میں عطا کیا، جو فرمایا وہ حق فرمایا: الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے مارکیٹ میں یہ کتاب دستیاب ہے، جس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے والد سے منقول وہ روایات نقل کی ہیں جو خواب میں انہوں نے حضور سے سنی تھی اور ان کو انہوں نے حدیث قرار دیا ہے۔

امام عطبی کہتے ہیں کہ میں سو گیا مقدر جاگا، حضور کی زیارت ہوئی اور حضور نے فرمایا: اے عطبی اٹھو! اور جو اعرابی ابھی آیا تھا اسے ڈھونڈو، جب مل جائے تو میری طرف سے جنت کی بشارت اسے دینا اور مدارک کے لفظ ہیں کہ وہ شخص آیا اور آکر بیٹھ ہی گا، کہا جب تک بخشش نہیں ہوگی اُٹھوں گا ہی نہیں اور زار و قطار روئے جا رہا ہے، تو آگے لکھا ہے کہ گنبد خضریٰ سے آواز آئی جا تجھے معاف کر دیا گیا، اس کے لیے آواز آئی، جو جتنی تڑپ سے جتنی محبت سے آئے اس کو اتنا صلہ دیا جاتا ہے، ۵۵ھ کا واقعہ ہے اور اس کو تمام مکاتب کے لوگ اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں، کتاب المناسک میں لکھا گیا، زکریا سہارنپوری نے کتاب الحج میں لکھا اور بھی بہت سارے لوگوں نے لکھا، حضرت شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں اور حضور کی اولاد سے تھے، کثرت سے درود پڑھا کرتے تھے، پھر حاضری کا موقع ملا، حضور کے روضے کے سامنے جا کے کھڑے ہوئے اور عرض کی حضور پہلے آپ کے بیٹھے کی روح آیا کرتی تھی اور آپ کا روحانی جواب پہنچتا تھا، آج جسم آ گیا ہے اور آج میں نے جواب بھی اسی انداز کا لینا ہے، ستر ہزار آدمی مسجد نبوی میں موجود تھے، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں (بقیہ ص ۳۰ پر)

از: قاری محمد انصار احمد نوری*

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

ابن ماجہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام نے سید المرسلین ﷺ سے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! ہمارے لئے اس میں کیا ثواب ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس جانور کی قربانی دیتے ہو، اس جانور کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے۔

ہماری عیدگاہ میں نہ آئے: ابن ماجہ میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: جس شخص میں مالی وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

کفار مشرکین کی قربانی: ۔ کفار جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا خون کعبے کے دیواروں پر مل دیتے اور گوشت اپنے بتوں کے پاس لاکر رکھ دیتے اور خیال کرتے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے، ہماری قربانی مقبول نہیں ہوتی، اس سلسلے میں حکم خداوندی ہے کہ ”اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون۔“ [پ ۱۷، سورۃ الحج، آیت ۳۶]

اس آیت میں مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں کہ تم اسے اٹھا لاؤ اور کعبہ کی دیواروں پر مل کر اسے آلودہ کردو، اس کی جناب میں تو تمہارا اخلاص اور تقویٰ شرف قبولیت حاصل کرے گا، تمہارے دل میں جتنا خلوص زیادہ ہوگا، جتنا تمہارے عمل پر تقویٰ کا رنگ زیادہ ہوگا، اتنی ہی زیادہ اس کی مقبولیت ہوگی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار گلزار ہوئی اور آپ نے اعدائے دین پر فتح و نصرت پائی تو آپ کا نکاح حضرت سارہ سے ہوا، حضرت سارہ اپنے ہم زمانہ عورتوں میں حسین ترین اور حسن میں حضرت حوا کے مشابہ تھیں، نکاح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک شام کی طرف جانے کا پروگرام بنایا، جب آپ ملک شام کو جارہے تھے تو حضرت سارہ کے ذریعہ آپ کی بی بی ہاجرہ سے نکاح کا موقع میسر آیا، چونکہ بی بی ہاجرہ ملک یمین کی حیثیت سے حاصل ہوئیں، اسی لئے ان کے لئے اولاد کی دعا مانگی ”اے میرے پروردگار مجھے صالح اور نیک بخت بچہ عطا فرما“ ایسے صاحبزادے کی استدعا فرمائی کہ وہ صلاح دین میں کامل اور عظیم الشان ہو کہ وہ دعوت حق میں میری مدد فرماتے اور طاعت الٰہی میں میرا حامی ہو اور مسافرت میں میرا مانوس ہو، اللہ عزوجل کی طرف سے خوشخبری آئی کہ ”اور ہم نے اسے حلیم بچہ کی خوشخبری دی“ آیت میں تین بشارتوں کا ذکر ہے، پہلا بچہ پیدا ہوگا، دوسرا وہ جوانی کو پہنچے گا، تیسرا وہ باحوصلہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بی بی ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی شکل میں ایک خوبرو تحفہ عطا فرمایا پھر بحکم الٰہی بی بی ہاجرہ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ لے کر مکہ معظمہ پہنچا دیا، جہاں اسماعیل علیہ السلام نے تربیت پائی اور جوان ہوئے۔ [روح البیان، ج ۱۲، ص ۲۲۲]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اے اللہ مجھے نیک اولاد عطا فرما، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ ”الٰہی مجھے نیک لائق اولاد دے، تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی، ایک بردبار لڑکے کی۔“

[پارہ ۲۳، سورۃ صافات، آیت ۱۰۰، ۱۰۱]

آپ کی دعا میں تین مطالبے تھے، اے اللہ اولاد نرینہ یعنی بیٹا عطا فرما! اور وہ بردباری کی عمر تک پہنچے اور بردبار رہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حلیم ہیں، آپ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”بے شک ابراہیم بہت آہیں کرنے والے تحمل



*مضمون نگار مسجد المیمنیہ کے امام اور امام احمد رضا موومنٹ علما بورڈ، بنگلور کے ممبر ہیں۔

(بردبار) ہیں۔ [پارہ ۱۱، سورۂ توبہ، آیت ۱۱۴]

آپ کو بیٹا بھی حلیم عطا کیا تا کہ بیٹا بھی باپ کی طرح شرف وفضیلت والا ہو اور جلیل القدر نبی ہو "صلاح" یعنی نیکی اور اللہ تعالیٰ کا قرب بہت ہی اچھی صفت ہے، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے لئے بھی یہی دعا کی اور اپنی ذات کے لئے بھی دعا کرتے ہوئے عرض کیا "اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور میرے رب مجھے ان سے ملا جو تیرے قرب کے لائق ہیں۔" [پارہ ۱۹، شعراء، ۸۳]

پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا، میں تجھے ذبح کرتا ہوں، اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا اے میرے باپ! آپ کیجئے، جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔" [پارہ ۲۳، سورۂ صٰفٰت، آیت ۱۰۲]

**قربانی کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر:** بعض اہل علم کا قول یہ ہے کہ ذبح کا واقعہ درپیش آنے کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی۔ [تفسیر کبیر]

**امتحان کی وجہ:** چونکہ پہلی آیت کریمہ میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم بیٹے کی بشارت دی، اب امتحان لے کر اسے واضح کر دیا کہ کتنا عظیم صابر اور بردبار بیٹا آپ کو رب تعالیٰ نے عطا کیا جس نے اتنے بڑے امتحان کو صبر اور خندہ پیشانی سے پاس کیا۔

**تین دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب دیکھنا:** ذی الحجہ کے سات دن گزر جانے پر رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔" آپ نے صبح اس پر تفکر کیا اور کچھ تردد میں رہے کہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے؟ یا خواب فقط خیال تو نہیں، اسی وجہ سے آٹھ ذی الحجہ کا نام یوم الترویہ رکھا گیا، (سوچ وچار کا دن) آٹھ تاریخ کا دن گزر جانے پر رات پھر خواب دیکھا، صبح یقین کر لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی حکم ہے، اسی لئے نو ذی الحج کو یوم عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے، اس کے بعد آنے والی رات کو پھر خواب دیکھنے پر عمل کرنے کا مصمم ارادہ کر لینے پر دس ذی الحجہ کو یوم النحر (ذبح کا دن) کہا جاتا ہے۔ [تفسیر کبیر]

**صرف خواب دیکھنے سے ذبح پر عمل کیوں؟** بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے خوابوں کو حق بنایا یعنی ان کے خوابات سچ ہوتے ہیں ان کو اپنے خوابوں پر عمل کرنا لازم ہے۔

**انبیائے کرام کے خواب کی تین قسم:** (۱) جو خواب دیکھا جائے وہی بعینہٖ واقع ہو، جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا کہ آپ بمع اپنے اصحاب کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور اصحاب نے سر منڈوائے اور بعض نے بال کٹوائے، آپ کا یہ خواب ایک سال بعد اسی طرح سچا ہوا جیسے دیکھا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ "بے شک اللہ نے سچ کر دکھایا، اپنے رسول کا سچا خواب، بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے، اگر اللہ چاہے، امن و امان سے اپنے سروں کے بال منڈوائے یا ترشوائے بے خوف۔" [پارہ ۲۶، سورۂ فتح، آیت ۲۷]

(۲) خواب میں صرف امتحان ہو، اس کا وقوع مقصود نہ ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا، یہ صرف امتحان تھا، آپ نے اپنے امتحان پر عمل کر لیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور فدیہ دے دیا۔

(۳) خواب میں بعض چیزوں سے تشبیہ دی جائے جس چیز کو خواب میں دکھایا گیا ہو اسی کا وقوع نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تاویل ہو اور وقوع مشابہ ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب، جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ "یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔"

(پارہ ۱۲، سورۂ یوسف، آیت ۴)

خواب میں آپ نے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کرتے دیکھا لیکن واقع ان چیزوں نے آپ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خواب کو اس طرح سچا کر کے دکھایا، القرآن "اس کے لئے سجدہ میں گرے اور یوسف نے کہا: اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے بیشک اسے میرے رب نے سچا کیا۔"

(پارہ ۱۳، سورۂ یوسف، آیت ۱۰۰)

ماں باپ خواب میں چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے اور گیارہ بھائی گیارہ ستاروں کی صورت میں، خواب سچا ہوا کہ سب نے آپ کو سجدہ تعظیمی کیا، جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، ہماری شریعت میں حرام ہے، یاد رہے کہ عبادت کا سجدہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۲۶، ص ۱۵۷)

**بیٹے سے مشورہ کرنے کی وجہ:** اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹے سے مشورہ کرنے کا حکم دیا کہ آپ پر یہ ظاہر ہو جائے کہ آپ کا بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں کتنا صابر ہے؟ اس طرح آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی، جب آپ دیکھیں گے کہ آپ کا بیٹا حلم (بردباری) کے اعلیٰ معیار پر فائز ہو چکا ہے اور اس طرح بیٹے کو بھی سخت مشکلات میں عظیم صبر کرنے پر اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے، آخرت میں ثواب حاصل ہو اور دنیا میں بھی آپ کی تعریف ہو، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے صبر کرنے کے پختہ ارادہ کو "انشاء اللہ" سے ملا کر برکت حاصل کی اور اس مسئلہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو کام مستقبل میں کرنا ہو، اس کے ساتھ "انشاء اللہ" ذکر کیا جائے، کیونکہ نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے، اسی طرح گناہوں سے بچانا بھی اسی کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔

**حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شیطان کی ناکامی:** حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بیٹے پر کامیاب ہونے کا ارادہ کیا تو ایک دوست کی شکل میں آپ کو روکنے کے لئے آیا لیکن آپ پر کامیاب نہ ہو سکا، پھر آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ان پر بھی اس کا داؤ نہ چل سکا تو اس نے بہت بڑا موٹا تازہ بن کر وادی کو بھر دیا تاکہ آپ اس سے آگے نہ جا سکیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ تھا، جس نے آپ کو کہا، اسے ماریں آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں تو وہ راستے سے ہٹ گیا، دوبارہ پھر آگے آنے کی کوشش کی آپ نے پھر کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا، تیسری بار پھر اسی طرح آگے آ کر راستہ بند کر دیا تو آپ نے پھر اس طرح سات کنکریاں مار کر راستہ سے ہٹا دیا، آج حاجیوں پر اس سنت ابرہیمی پر عمل کرنا واجب کر دیا گیا، سبحان اللہ! اپنے محبوبوں کی ادائیں رب تعالیٰ کو کیسی پسند آئیں کہ ان کو عظیم عبادت کا حصہ بنا دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی)

چنانچہ آپ علیہ السلام دسویں ذی الحجہ کی صبح کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے بیٹے کو نہلا دھلا کر نئے کپڑے پہنا دو، میں اسے دعوت میں لے جانا چاہتا ہوں، تو حضرۃ ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے خوش دلی سے اپنے نورِ نظر کو تیار کر دیا، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک رسّی ساتھ لی اور اپنے بیٹے کو لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئے، دونوں باپ بیٹے میٹھی میٹھی باتیں کرتے جا رہے تھے، جب شیطان لعین نے یہ منظر دیکھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر اپنے بیٹے کو ذبح کرنے جا رہے ہیں، تو وہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے اسمٰعیل! کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج تیرا باپ تجھے ذبح کرنے کے لئے لے جا رہا ہے؟ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد گرامی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ذبح کرنے کے لئے جا رہے ہیں، تو پھر مجھے روکنے والا تو ضرور شیطان ہے، جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر شیطان کا داؤ نہ چل سکا، تو فوراً حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، اے ہاجرہ تمہیں معلوم ہے، دونوں باپ بیٹے کہاں گئے ہیں؟ تو ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا دعوت میں گئے ہیں، شیطان لعین نے کہا دعوت میں نہیں بلکہ ابراہیم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لئے وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے گئے ہیں، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر رب تعالیٰ کی یہی مرضی ہے تو پھر یہ ایک بیٹا کیا ہے، میں تو لاکھوں بیٹے قربان کر دیتی، شیطان لعین کی ان باتوں کا جب حضرت ہاجرہ پر کچھ اثر نہ ہوا تو فوراً وہاں سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے دوڑ کر پہنچ گیا اور کہنے لگا اے ابراہیم! خواب تو جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں، سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے

شیطان کی بات کو سن کر زمین سے سات کنکریاں اٹھائیں اور شیطان پر ماریں، چنانچہ تین مرتبہ آپ کو سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح نہ کرنے کا مشورہ دیا، تو آپ نے تین مرتبہ اس پر کنکریاں ماریں، آخر میں خائب وخاسر شیطان لعین کو وہاں سے فرار ہونا پڑا، اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ قیامت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت کو حاجیوں پر واجب کر دیا، حاجی صاحبان ان تینوں جمروں کو کنکریاں مارتے ہیں، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو لے کر ایک جنگل میں پہنچے تو آپ نے بیٹے کو پاس بٹھایا اور آپ نے سارا ماجرا، اپنے نوخیز بچے کو بھی سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "فانظر ماذا ترٰی" اب تم ہی بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟

آپ ان الفاظ سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا مشورہ نہیں پوچھ رہے ہیں کہ اگر اس کی مرضی نہ ہو تو تعمیلِ حکم سے معذرت کر دی جائے، بلکہ محض اپنے بچہ کا امتحان مقصود تھا کہ جس بچے نے خلیل کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہاجرہ کا دودھ پیا ہے اور جس کو روزِ اوّل سے درس ہی یہ دیا جا رہا ہے کہ اللہ کو خوش کرنے کے لئے اگر جان بھی دینی پڑے تو اس میں قطعاً تامل نہ کرنا، اب یہ بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے، ذرا دیکھیں اس شبانہ روز تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے نیز آپ اس ثواب بلکہ امتحان میں اپنے فرزند کو بھی برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے تا کہ کامیابی کی صورت میں رضائے الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزت وشرف سے سرفراز ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل سے جب یہ خواب بیان کیا تو اس پیکر تسلیم ورضا نے جو جواب دیا وہ قرآن کے الفاظ میں ہی پڑھ لیجئے، ان نازک اور پاکیزہ عالی جذبات کو اگر ہم بیان کرنا چاہیں تو اس کا حق ادا نہ ہوگا۔ "عرض کیا: اے میرے باپ! کیجئے، جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

یہ فیضانِ نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

ان شاء اللہ کے کلمات طیبات کا اضافہ کر کے اپنے مقام عبدیت ونیاز مندی کو چار چاند لگا دیئے، میں صبر کروں گا، لیکن تب جب میرے رب کو منظور ہو، یعنی اگر میں مقام رضا میں کامیابی حاصل کر لی اور اگر اس نازک امتحان میں سرخرو ہوا، تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوگا، محض میرے رب کا احسان اور کرم ہوگا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی، جس اسلام کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام دیا کرتے تھے اس کا عملی مظاہرہ حضرت اسمٰعیل کی اس ادا سے زیادہ حسین اور دلکش کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔

**حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے والد کو مشورہ دینا:** حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا "اے میرے ابا جان! ذبح سے پہلے مجھے باندھ دینا تا کہ میں تڑپوں نہیں، اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھنا تا کہ آپ کے کپڑے میرے خون سے آلودہ نہ ہو جائیں اور میری والدہ انہیں دیکھ کر پریشان نہ ہوں، میرے حلق پر چھری جلدی جلدی چلانا تا کہ مجھ پر موت آسانی سے واقع ہو جائے، جب میری والدہ کے پاس جانا تو میرا سلام ان کو دینا، ان باتوں کے بعد باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو دیکھا، باپ نے بیٹے کا بوسہ لیا، محبت کے آنسو چھلک پڑے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہیں کی، جیسا کہ قرآن میں ہے کہ "تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔" (پارہ ۲۳، سورہ صٰفٰت، آیت ۱۰۳)

زمیں سہمی پڑی تھی آسمان ساکن تھا بے چارہ
نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا حیرت کا یہ نظارہ

چشم فلک نے اس سے قبل یہ منظر کبھی نہ دیکھا تھا کہ ایک مقدس باپ رضائے الٰہی کی خاطر اپنے نورِ نظر کہ نازنین حلق کو خود کاٹ رہا ہے، چھری زورِ نبوت سے چلائی گئی کاٹنے کا نام نہ لیتی تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام جلال میں آ کر جب وہی چھری پتھر پہ مارتے ہیں تو پتھر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام چھری سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ میرے اسمٰعیل کا نرم ونازک گلا (حلق) تو زیادہ سخت تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ چھری کو قوت گویائی عطا فرماتا ہے، چھری اپنے زبان حال سے کہہ اُٹھتی ہے

کہ آپ تو مجھے اسمٰعیل کی گردن کاٹنے کا حکم دیتے ہو مگر رب ذوالجلال مجھے کاٹنے سے منع فرمارہا ہے، میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں یا رب ذوالجلال کی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کے گلے پر مسلسل زور سے چھری چلا رہے ہیں، خالق دو جہاں نے اپنے پیارے خلیل کے ارادے کو پالیا اور فرمایا اے جبرئیل! آج میرے خلیل کے جلال کو دیکھو کہ وہ آج قربانی دیئے بغیر واپس لوٹنا نہیں چاہتا، جاؤ جنت سے ایک دنبہ لے جاؤ اور اسمٰعیل کو ہٹا کر اس کی جگہ چھری کے نیچے دنبہ رکھ دو، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت سے دنبہ لے گئے اور اسمٰعیل علیہ السلام کو پیچھے ہٹا کر چھری کے نیچے دنبہ رکھ دیا، چھری سے دنبہ ذبح ہو گیا، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آنکھوں سے پٹی اتاری تو کیا دیکھتے ہیں کہ دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور اسمٰعیل علیہ السلام سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے "اور ہم نے اسے ندا فرمائی: اے ابراہیم! بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بیشک یہ واضح امتحان تھا اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ دے کر اسے بچالیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔"

(پارہ ۲۳، سورۂ صٰفٰت، آیت ۱۰۴)

چھری چلانے سے پہلے ہی آپ کو کہہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا کہ آپ نے چھری چلادی تھی تو جبریل امین نے آکر اس کا رخ بدل دیا تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موٹا تازہ سینگوں والا سفید سیاہی مائل دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دے دیا گیا اور آپ کو ذبح سے بچا کر بھی ذبح ہو جانے کا اجر و ثواب عطا کیا اور تا قیامت آپ کو ذبیح اللہ (اللہ کی رضا کے لئے ذبح ہونے والا) کے لقب سے متصف کر دیا گیا۔ (روح المعانی)

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام جب فدیہ لے کر آئے تو خیال کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں جلدی نہ کر دیں تو آپ نے پڑھا "اللہ اکبر اللہ اکبر" حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب آسمانوں کی طرف سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبرئیل فدیہ لا رہے ہیں تو پڑھا "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" جب اسماعیل علیہ السلام نے سنا تو آپ نے پڑھا "اللہ اکبر وللہ الحمد" ان تینوں حضرات کے مجموعی کلام کو "تکبیرات تشریق" کی صورت میں تا قیامت نمازیوں پر ذی الحج کی نو تاریخ کی نماز فجر سے لے کر تیرہ تاریخ کی نماز عصر تک واجب کر دیا گیا تا کہ یہ یادگار قائم رہے۔ (قاضی خان، حاشیہ ہدایہ)

کثیر احادیث میں ہے کہ ذبح کے وقت جو دنبہ بطور فدیہ دیا گیا، اس کے سینگ کعبہ شریف کی دیوار پر بہت عرصہ تک نصب رہے۔ (کبیر، ج ۲۶، ص ۱۵۳، ۱۵۴)

سبحان اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا عمل بھی رب تعالیٰ کو کیسا پسند آیا کہ تا قیامت اصحاب نصاب، اہل ثروت اس پر عمل کرتے رہیں گے، لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہمارے اصحاب نصاب، اہل ثروت بلا فکر و تردد خلوص و للٰہیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی قربانی پیش کریں، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ جیسا تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو قبول کیا، ویسے ہی ہم تمام کی قربانیوں کو شرف قبولیت عنایت فرما، آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

■■■

پاسبان مسلک اعلیٰ حضرت، حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین قادری رضوی قدس سرہ از: علامہ محمد حسن علی رضوی میلسی*

# کچھ یادیں، کچھ باتیں

آتی ہے یاد ان کی رضا کے رضا کاروں میں

سراپا مسلک اعلیٰ حضرت آئینہ جمال صدر الشریعہ، شیخ طریقت حضرت علامہ الحاج الشاہ الحافظ القاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم المرتب رفیع الدرجت ذات گرامی نقش اکابر کی حیثیت رکھتی ہے، وہ مسلک سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے عظیم مبلغ وناشر تھے، ان کی ذات گرامی میں بیک وقت شیخ الشیوخ العالم حضور سیدنا سرکار مفتی اعظم، حضور صدر الصدور صدر الشریعہ بدر الطریقہ صدر المدرسین علی الاطلاق مفید الطالبین علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی، حضور حافظ ملت محدث مبارکپوری، نائب اعلیٰ حضرت محدث اعظم پاکستان قدست اسرارہم کی روحانیت اور علمی جاہ وجلیل کا جلوہ نظر آتا ہے، یہ غالباً ۱۹۵۷ یا ۱۹۵۸ء کی بات ہے کہ لاہور میں ہونے والی ملک گیر کل پاکستان سنی کانفرنس کا پوسٹر اور دعوت نامہ موصول ہوا جس میں پورے ملک کے علماء ومشائخ اہل سنت کراچی سے پشاور اور پھر ڈھاکہ تک کے ضلع وار اسماء مبارک لکھے ہوئے تھے، اس میں کراچی کے علما میں سرفہرست پیر طریقت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی قدس سرہ کا نام نامی لکھا ہوا تھا، یہ حضرت ممدوح کی ذات گرامی سے پہلا تعارف تھا اور پھر تو یادگار رضا پاکستان جامعہ رضویہ مظہر اسلام لائل پور (اب فیصل آباد) کے سالانہ دستار فضیلت کے جلسوں میں ان سے اور حضرت علامہ علامہ عبد المصطفیٰ ازہری رضوی، علامہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی امجدی رضوی، علامہ قاری محبوب رضا خاں صاحب بریلوی قدست اسرارہم سے بار بار شرف ملاقات کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی، اب بزرگوں کا قیام اور ان کے ساتھ اس فقیر راقم الحروف کا قیام بھی عموماً حضرت علامہ ابو الشاہ مولانا محمد عبد اللہ در احمد آباد یا حضرت علامہ ابو المعالی محمد معین الدین شافعی رضوی بھکھر ٹروی تھانوی (یہ تھانہ متصل کچہری ہے) ناظم جامعہ رضویہ کی رہائش گاہ پر ہوتا تھا اور علمی مذاکرہ تحقیقی تذکرہ ہوتا تھا، حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ صاحب ازہری علیہ الرحمہ کی طبیعت میں خوش طبعی اور مزاح کا عنصر تھا، باغ وبہار شخصیت کے مالک تھے، ان سب میں متحمل و منکسر المزاج وخاموش طبع اور اخاذ طبیعت کے حامل حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صاحب علیہ الرحمہ تھے، دانائی اور فراست و بصیرت ان کے چہرۂ مبارک سے عیاں تھی، وہ زیادہ وقت سیدی سندی حضور محدث اعظم پاکستان حضرت قبلہ شیخ الحدیث علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں گزارتے تھے اور ان کو بمنزلہ اپنے استاذ وشیخ کے سمجھتے تھے اور یہ اس لئے بھی کہ حضرت اقدس قاری صاحب نے سیدنا حضور مفتی اعظم شہزادۂ اعلیٰ حضرت اور حضور صدر الصدور صدر الشریعہ اور سیدنا شیخ الامام حجۃ الاسلام مولانا الشاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلوی کی عنایات اور خاص شفقتیں بچشم خود دیکھیں تھیں۔

یہ فقیر قادری گدائے رضوی چونکہ اپنی حیات کے ابتدائی دور ہی سے بفضلہ تعالیٰ مسلک اعلیٰ حضرت کا ادنیٰ چوکیدار، ادنیٰ پہرہ دار ہے اور بفضلہ تعالیٰ حضور مفتی اعظم وحضور محدث اعظم پاکستان کی دعاؤں کی برکت سے کم وبیش ۵۸ رسال سے مذہب اہلسنت و مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ ودفاع میں لکھ رہا ہے اور پاک وہند کے بکثرت سنی رسائل وجرائد میں یہ مضامین ومقالات چھپ رہے ہیں، فقیر کی یہ ادا حضرت قبلہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بہت پسند تھی، یہ فقیر بلا مبالغہ ان کے قدموں کی دھول بھی نہیں، لیکن وہ فقیر کی اپنے معاصرین کی سی قدر فرماتے اور عزت افزائی فرماتے تھے، فقیر ۱۹۶۵ء میں کراچی حاضر ہوا تھا، جب حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ مسجد اخوند کھارادر میں خطیب تھے تو مسجد مذکورہ کے بالائی

عقبی حصہ میں آپ کی نشست گاہ تھی، حضرت علامہ مفتی ظفر علی صاحب نعمانی علیہ الرحمہ اور فقیر وہیں حاضر ہوا کرتے تھے، وہ کمال شفقت و عنایت سے الحاج سیٹھ عبد المجید مکی قادری رضوی مرحوم ابن الحاج سیٹھ عبدلعزیز قادری رضوی سلامی علیہ الرحمہ کے ہمراہ ملاقات فقیر کے لئے ملتی تھی، تشریف لائے یہ کرم باندازِ کرم تھا، انہی ایام میں ایک بار مکتبہ رضویہ آرام باغ میں حضرت قبلہ قادری صاحب سے ملاقات ہوئی، مجھ کو غیر متوقع طور پر دیکھ کر باغ باغ ہوگئے، اپنے پہلو میں جگہ دی۔

فقیر کے پاس براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر مشرقی یوپی انڈیا کے دار العلوم فیض الرسول سے آیا ہوا ماہنامہ رسالہ فیض الرسول اور اس میں فقیر کا مضمون دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور فرمایا یہ رسالہ میرے نام جاری کرادیں، اس کا چندہ سالانہ کیسے بھیجا جائے گا؟ منی آرڈر تو وہاں جاتا نہیں، فقیر نے عرض کیا میں بھیج دوں گا، بدلے میں کتابیں ارسال کرا دوں گا، ان دنوں علامہ مفتی ظفر علی صاحب علیہ الرحمہ کے بہنوئی جناب ظہیر الحسن صاحب مکتبہ رضویہ آرام باغ کے منصرم تھے، قاری صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں یہاں سے کتابیں لے کر پیش کرتا ہوں، یہ کتابیں آپ براؤں شریف سدھارت نگر بھجوادیں اور بہت شفقت و محبت سے فرمایا: یہ جمعہ آپ میری مسجد اخوند کھاردار میں پڑھائیں اور فرمایا مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی میری اس مسجد میں تشریف لاتے، تو فرماتے مجھے یہاں مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نمایاں آثار نظر آتے ہیں، کئی جگہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی بدعت شروع ہوگئی ہے، مولانا غلام علی صاحب فقیر کی مسجد میں نماز باجماعت کو ترجیح دیتے ہیں۔

لاؤڈ اسپیکر کی بات چلی تو فقیر کے پاس سیدنا حضور مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری برکاتی قدس سرہٗ کا فتویٰ تازہ تازہ آیا تھا، جیب میں موجود تھا، فقیر نے قاری صاحب علیہ الرحمہ کی خدمات میں پیش کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت قاری صاحب قبلہ بہت مسرور ہوئے، بڑی فرحت و مسرت کا اظہار فرمایا، بہت اچھا ہوا، آپ نے یہ فتویٰ سرکار مفتی اعظم قبلہ سے منگوا لیا، اس فتویٰ میں خالص بات یہ کہ بعض نومولود جلیل محققین محض مغالطہ دینے کے لئے کبھی خلاف واقعی طور پر سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اور بے محل الکشف الشافیہ کا نام لیتے ہیں، کبھی سیدنا مفتی اعظم کا نام نامی غلط استعمال کرتے ہیں، اس تازہ ترین فتویٰ میں ان تمام مفروضات کی دھجیاں اڑادی گئی ہیں، حصول برکت کے لئے اور صورت حال کی وضاحت کے لئے قارئین کرام سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ کے فتویٰ مبارکہ کے فیصلہ کن الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''جانشین شہزادہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارقام فرماتے ہیں: محض لاؤڈ اسپیکر پر انتقالات کرنے والے کی نماز فاسد ہے، یہ فتویٰ پاکستان و بھارت کے سنی اخبارات و رسائل میں چھپ بھی چکا ہے، چھپے ہوئے فتویٰ کے خلاف محض اپنی بات بالا رکھنے کے لئے یہ کہنا کہ (حضرت مفتی اعظم) کا فتویٰ لاؤڈ اسپیکر پر نماز صحیح ہونے کا ہے، وہ بدترین جرم ہے کہ نا قابل درگزر ہے، اس سے بڑھ کر بے باک وہ لوگ ہیں جو امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سر اس کا جواز تھوپتے ہیں، اعلیحضرت قدس سرہ کے عہد مبارک میں لاؤڈ اسپیکر کا نام بھی کوئی ہندستان میں نہ جانتا تھا، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی کسی کتاب میں لاؤڈ اسپیکر کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی کتاب سے اس کے جواز کا کوئی پہلو نکالتا ہے، اگر نکلتا ہے تو علم جواز کا نکلتا ہے ملخصاً۔

حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین علیہ الرحمہ نے یہ طویل ترین جامع فتویٰ ملاحظہ کر کے فرمایا کہ حضرت، ہم حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ کی خدمت اقدس میں رہتے ہیں، ہم نے حافظ ملت (علامہ حافظ عبد العزیز صاحب) کو دیکھا ہے، حضور محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہما کی خدمت میں رہتے ہیں، مولود جدید محققین کی خودساختہ تحقیق پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے؟ مجھ فقیر سے ارشاد فرمایا: آپ اس مسئلہ پر مفصل کتاب لکھیں، آپ کا قلم مسلک اعلیٰ حضرت کے تحفظ و دفاع میں خوب چلتا ہے، آپ نے برہان ملت مفتی اعظم جبل پور، حضرت محدث صاحب کچھوچھوی، استاذ محترم شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں صاحب، مولانا محمد خلیل الکاظمی امروہوی، حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب قادری وغیرہم

سے بھی فتاویٰ منگوائے ہیں، عرض کیا ان سب اکابر اور ان جیسے دوسرے مقتدر اکابر کے بھی فتویٰ حاصل کئے ہوئے موجود ہیں اور صرف ان مذکور بالا اکابر کرام سے ہی نہیں بلکہ سیدنا اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گیارہ اکابر خلفا وتلامذہ سے بھی عدم جواز کے فتاویٰ منگوائے ہوئے ہیں، فرمایا یہ علمی اور تحقیقی اثاثہ ہیں چھپوادیں، فقیر نے عرض کیا جب وسائل ہوں گے چھپ جائیں گے، عرض کیا مکتبہ رضویہ آرام باغ سے آپ چھپوادیں، فرمایا: آپ مفتی ظفر علی صاحب سے ملیں وہ چھپوا سکتے ہیں، بہر کیف خامہ کس قصد سے اٹھا تھا اور کہاں جا پہنچا، آدم برسر مطلب!

حضرت علامہ قاری صاحب علیہ الرحمہ کی ولادت شریف بتاریخ ۱۱ ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۷ء بروز دوشنبہ مبارکہ قندھار شریف ضلع ناندیڑ حیدر آباد دکن میں ہوئی، حضرت اقدس قاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اس علاقہ میں اذان کے بعد تثویب الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ کے بعد الصلوٰۃ والسلام علیک یا اعلیٰ حضرت یا امام اہلسنت یا مجدد دین ملت بھی پڑھا جاتا تھا، والد ماجد کا نام نامی حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھا، آپ کے اساتذہ میں والد ماجد علیہ الرحمہ کے علاوہ حافظ ملت علامہ حافظ مولانا عبدلعزیز صاحب شیخ الحدیث و بانی جامعہ اشرفیہ جو حضور محدث اعظم پاکستان حضرت قبلہ شیخ الحدیث علامہ محمد سردار احمد قدسرہ کے استاد بھائی ہم سبق وہمدرس تھے اور دونوں حضرات حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت قدس سرہ کے ارشد واکابر تلامذہ میں سے تھے اور حضور صدر الشریعہ نے اجمیر شریف سے واپسی پر بریلی شریف میں ایک ساتھ دونوں حضرات کو اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی تھی، دوسرے اساتذہ میں حضرت علامہ مولانا محمد سلیمان صاحب بھاگل پوری اور حضرت علامہ ثناء اللہ صاحب جو حضرت محدث اعظم پاکستان کے شاگرد رشید تھے، کا نام گرامی قابل ذکر ہے اور حضور شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ محمد حامد رضا قادری بریلوی اور حضرت سیدی صدر الشریعہ قدس سرہم ہماسے بھی تبرکاً پڑھا یہ وہ نعمت ہے جو کون پاتا ہے اور کس کو ملتی ہے۔

۱۹۴۳ء میں جب حافظ ملت علامہ حافظ عبد العزیز قدس سرہ بعض ناگزیر حالات کے باعث جامعہ عربیہ ناگپور مہاراشٹر تشریف لے گئے تو حضرت علامہ قاری صاحب علیہ الرحمہ بھی ناگپور ان کے ہمراہ چلے گئے اور وہیں ناگپور میں حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی اشرفی قدس سرہ کی موجودگی میں آپ کی دستار بندی ہوئی اور فارغ التحصیل ہوئے اور وہیں آپ ایک جامع مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے اور وہاں کے لوگ آپ کے مقتدی جو باقی ہیں ابھی تک یاد کرتے ہیں اور اس جامع مسجد کو آپ کے بعد آپ جیسا امام و خطیب نہیں ملا، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے بعد آپ ۱۹۴۹ء میں سقوط حیدر آباد دکن کے بعد ہجرت فرما کر آپ کراچی پاکستان تشریف لائے ابتدا میں کچھ عرصہ دار العلوم امجدیہ جو اب مکتبہ رضویہ ہے میں قیام فرمایا ۱۹۵۰ء میں بطور امام وخطیب جامع اخوند کھارادار میں تشریف لائے اور ۱۹ ر سال امامت وخطابت کے فرائض نہایت حسن وخوبی سے انجام دیئے، اسی دوران امام اہلسنت محدث اعظم پاکستان علامہ ابو الفضل محمد سردار احمد قدس سرہ کے حکم پر بطور امام وخطیب جامع مسجد واہ کینٹ راولپنڈی تشریف لے گئے اور بہت کامیاب ہوئے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے، علامہ قاری مفتی محبوب رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے بعد آپ ۱۹۶۹ء میں جامع مسجد میمن کھوڑی گارڈن جوڑیا بازار جو اب آپ کے نام گرامی کی برکت سے مصلح الدین گارڈن کے نام سے پکارا اور لکھا جاتا ہے، میمن مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوئے، اکابر کا احترام ایسا کہ جب تک امام اہلسنت حضور محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار صاحب بقید حیات رہے، آپ نے کسی کو مرید نہیں کیا اور فرماتے کہ انتظار کرو، حضرت محدث اعظم پاکستان تشریف لانے والے ہیں، ان کے مرید ہو جانا وہ ہمارے اکابر ہیں، آپ دار العلوم امجدیہ میں مدرس بھی رہے اور بہت کامیاب مدرس ثابت ہوئے، آپ کے سب سے قابل فخر تربیت یافتہ ارشد واکبر تلامذہ میں مجاہد مسلک اعلیٰ حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست ہے، جو آپ کے جانشیں ومعتمد تھے جن کا وجود گرامی سنیوں، رضویوں کے لئے نعمت تھا۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت سیدی قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی فرمایا کرتے تھے، قاری صاحب بکھرے ہوئے دھنوں کو خوب قابو کرنا جانتے ہیں حضرت قاری صاحب نے اپنی زندگی میں بارہ مرتبہ حاضری حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ہر بار حاضری حرمین سے قبل حضور گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا داتا صاحب علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر ضرور حاضری دیتے اور فرماتے میرا ویزہ حرمین یہیں سے لگتا ہے، رامپور سے سیدھا حضور سیدی محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فقیر احمد حسن علی رضوی کی ملاقات کے لئے بھی تشریف لاتے، حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہ کے مزار پر انوار کی زیارت کے لئے بغداد معلی بھی حاضر ہوئے۔

**اجازت وخلافت:** حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رضوی، سیدنا مفتی اعظم ہند علامہ مفتی شاہ مصطفے رضا خاں قادری نوری، قطب مدینہ حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی قادری نوری قدس سرہم سے اجازت وخلافت حاصل تھی، وصال ۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ ۲۳ رمارچ ۱۹۸۳ء کو وصال شریف ہوا، تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

■■■

## قارئین کرام

سنی دنیا کا یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ ہمیں ضرور بتائیں اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازیں تا کہ اسے مزید بہتر سے بہتر بنایا جاسکے، نیز جامعۃ الرضا، حضور تاج الشریعہ اور مرکز اہل سنت بریلی شریف کی دینی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں سے باخبر رہنے کے لئے ماہنامہ سنی دنیا کا مطالعہ کرتے رہیں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے کر رسالہ کے ممبر بنائیں۔

اگر آپ کو رسالہ نہیں مل رہا ہے تو اپنے ڈاکئے سے رابطہ کریں، کیوں کہ اکثر آؤٹری ڈاک کو ڈاکئے اہمیت نہیں دیتے، ایسے میں وہ ڈاک خود نہ پہنچا کر کسی اور کو آپ تک کے لئے دے دیتے ہیں، جس کی وجہ رسالہ کبھی آپ کو ملتا ہے کبھی نہیں ملتا یا کبھی کبھی ڈاکخانوں میں ہی پڑے رہ جاتے ہیں۔

# یاد علامہ عبد العزیز خاں قادری

از: علامہ شبیب القادری پوکھریروی*

کہو عشاق احمد کو کہ آئیں اس کو پڑھنے کو
قصیدہ لکھ رہا ہوں ایک مداح محمد کا

کتنا خوش نصیب ہے ضلع بستی کا وہ مطلع فیض جس نے آفتاب فضل و کمال ضیغم اہلسنت حضرت علامہ عبد العزیز خاں صاحب قادری علیہ الرحمہ کو اپنی آغوش تربیت سے طلوع فرما کر معراج کمال تک پہنچا دیا، وہی ضیغم اہلسنت جن کے افکار و کلمات کی مرصع کاری، بیان و تعبیر کی رعنائی، فکر و استدلال کی نکتہ سنجی، عقل و عشق کا باہم امتزاج ان کے دینی جوش و جذبات کے تلاطم کا ایک زمانہ قائل ہے ہی، ان کی تزیین فصاحت اور آرائش جمال و بیان پہ علوم مشرقیہ کے جملہ رنگ و روغن حضور حافظ ملت، حضور بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب، مولانا عبد اللہ صاحب اور قاری یحییٰ صاحب علیہم الرحمہ جیسے وقت کے مایہ ناز اساتذۂ کرام نے مل کر چڑھایا۔

رنگ پیراہن کا خوشبو زلف لہرانے کا نام
موسم گل ہے تمہارے اوج پہ آنے کا نام

مولانا شمشاد لکھنوی مرحوم اور مولانا عبد القادر فرنگی محلی نے مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں رنگ و روغن کی مالش کر دی جبھی تو ضیغم اہلسنت مطول کی بات کرتے تھے کبھی "دیوان متنبی" اور "دیوان حماسہ" کے بعض اشعار پر تنقیدی نگاہ ڈالتے تھے، کبھی نظیری اور عرفی جیسی مسلم شخصیات کے کلام پر انگلی رکھ کر ان کے تسامحات پر موثر دلیلیں قائم کرتے تھے۔

صائب چہ خیالست شوی ہمچوں نظیری
عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

یہ سب فیوض و برکات ہیں ان کے معظم اساتذۂ کرام حضور حافظ ملت اور بحر العلوم کے جنھوں نے ان کی ذات پر علم و فضل کی موسلا دھار بارش کی، سونے پر سہاگہ یہ کہ ان کی شعری اور فطری صلاحیتوں کو مزید جلا بخشنے کے لئے جناب انور بھن پروی، تمنا پھلواروی جیسے ماہر فن اساتذہ مل گئے، یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی اس مفہوم کی مستی میں اصغر گونڈوی صاحب بھی مست رہا کرتے تھے کبھی ضیغم اہل سنت علیہ الرحمہ بھی اپنے سرور کا مزہ لیتے تھے اور یوں مسکراتے تھے۔

فخر ہے مجھ کو اس در سے شرف پانے کا
میں شرابی ہوں اس رند کے میخانے کا

سرچشمہ علوم و فنون ضیغم اہلسنت الرحمہ عربی میں کافی مہارت رکھتے تھے اور فارسی پر کما حقہ دسترس حاصل تھی اور اردو زبان ان کی مرہون منت تھی، اردو اپنی آرائش حسن کے لئے ان کی جنبش لب کی محتاج تھی، ان کا ذہن قرآنی تفسیر تھا، ان کی طبیعت حدیث و اسماء الرجال کی تحقیق تھی، ان کا مزاج مسائل فقہ کا جولان گاہ تھا، ان کا رجحان منطقی اوزان اشعار اور تعلیم بحور عشق کا معلم تھا۔

بلائے جاں ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

لیکن ہائے افسوس وقت کا یہ ایک دلدوز سانحہ ہے کہ ان کو عالم اسلام کے کسی بڑے ادارہ میں ہونا چاہئے تھا لیکن قسمت انھیں وہاں لے آئی، جہاں عروج کے سلسلے محدود ہو گئے، مبارک پور سے فراغت کے بعد تعلیمی خدمات کیلئے ایک ایسے ادارہ میں جانا چاہئے تھا جو ہر اعتبار سے بلند و بالا ہوتا لیکن انھوں نے حضور حافظ ملت کے حکم پر بہار کے ضلع سیوان کے بڑہریا قصبہ کو اپنا میدان عمل بنایا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی کایا پلٹ کر رکھ دی، آج یہاں دین و سنیت جو بھی فصلیں لہلہا رہی ہیں یہ انھیں کی کاشت کا نتیجہ ہیں۔

سرد آہیں، گرم آنسو، آنسوؤں میں خون دل
کہہ رہے ہیں اس طرح افسانۂ درد فسانہ ہم

*مضمون نگار غوث الوریٰ عربی کالج مخدوم سرائے سیوان بہار کے بانی و ناظم اعلیٰ ہیں۔

قدرت نے انہیں شاعر بھی شدید الاحساس بنا کر پیدا کیا تھا، پھر کوئی وجہ نہ تھی جو مدرسہ کی چہار دیواری انھیں غزل گوئی سے روک دیتی جبکہ وہ اسی نصاب آہ واہ کے معلم بھی تھے اور انہیں ''دیوان متنبی'' پڑھانی تھی، اسی مزاج کے وہ حامل بھی تھے، ان کی شاعری میں زبان بھی تھی اور ادب کی خوش آہنگی بھی تھی اور ترنم بھی، بے ساختگی بھی تھی اور موزونیت بھی، لطافت بھی تھی اور پاکیزگی بھی، جس پر ہر سامع کو یقیناً کہنا ہی پڑتا۔

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
کہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

جبکہ درسیات میں بے پناہ مہارت تھی، طلبا کے اسباق ناغہ کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے، وہ اکثر فرمایا کرتے کہ ایک دن کے سبق کا ناغہ کرنا مہینوں اور سالوں کا نقصان کر دیتا ہے اس کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

خون عاشق میں بھی ایک رنگ وفا ہوتا ہے
لاکھ دھوئیں کہیں دامن سے جدا ہوتا ہے

جب ضیغم اہلسنت علیہ الرحمہ مفتی ریاض القادری صاحب علیہ الرحمہ سابق صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ محی العلوم شکل ٹولی علی گنج سیوان کے جنازہ کے بعد دیگر علماء کے ساتھ واپس ہو رہے تھے، تب میں نے ضیغم اہلسنت سے گزارش کی تھی کہ یہ اعلیٰ حضرت کا عشق وعقیدت بھرا ''سلام'' آپ میرے جنازہ کے ساتھ پڑھتے چلئے گا، انھوں نے جواب دیا تھا کہ ہاں بھائی پڑھ دیں گے لیکن عمران کا ساتھ نہ دیا، انھوں نے مجھ سے پہلے ہی رخت سفر باندھ لیا۔

ایسی عظیم شخصیت ۱۵ر اپریل ۲۰۱۷ء بمطابق ۱۸ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ بروز سنیچر دوپہر ۱۲ر بج کر ۲۵ منٹ پر ممبئی کے اسپتال میں اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

اے رحمت تمام میری ہر خطا معاف
میں انتہائے شوق میں گھبرا کے پی گیا
پیتا بغیر اذن یہ کب تھی میری مجال
در پردہ چشم یار کی شہہ پا کے پی گیا

# جھوٹ کی نحوست

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

**''جب کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس جھوٹ کی بد بو کی وجہ سے (رحمت کا) فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔''**

از: مولانا محمد کوثر امام قادری*

# فروغ حدیث میں خواتین کا کردار

علم وحکمت وہ خزانہ ہے، جس کے حقیقی وارث مومن ومومنہ ہیں، اس لیے اپنی گم شدہ دولت کو پانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے، اگر یہ دولت دور دراز مقام پر بھی ہو تو سفر کر کے اسے حاصل کرے، بتائیے کوئی شخص کسی شہر میں زمین وجائداد چھوڑ کر مرجائے تو کیا اس کی اولاد اس زمین وجائداد سے دست کش ہو جائے گی؟ ہر گز نہیں، بلکہ ہزار پریشانیاں جھیل کر بھی وہاں پہنچے گی اور اسے حاصل کرنے کی کو انتھک کوشش کرے گی، دولت علم بھی جہاں ملے وہاں پہنچ کر حاصل کرنا چاہیے، یہی مرضی مولی اور مطلوب رحمت عالم ﷺ ہے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من سلک طریقا یلتمس فیہ علما سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص علم کو تلاش کرنے کسی راستے پر چلے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتا ہے۔ [مشکوٰۃ شریف، ص ۳۴]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص طلب علم میں نکلے وہ لوٹ کر آنے تک اللہ کے راستے میں ہے۔ [مشکوٰۃ شریف، ص ۳۴]

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال یاتیکم رجال من قبل المشرق لیعلمون فاذا جاءوکم فاستوصوابھم خیرا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس مشرق سے کچھ لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے تو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے، وہ بات جہاں ملے مومن زیادہ اس کا حقدار ہے۔ [مشکوٰۃ شریف، ص ۳۴]

مذکورہ احادیث کریمہ سے معلوم ہو طلب علم کے لیے سفر کرنا، لمبی مسافت طے کرنا نہایت محمود فعل ہے اور مطلوب الٰہی ہے اور اس مطلوب الٰہی کو پانے کے لیے صحابہ کرام وصحابیات عظام نے لمبی لمبی مسافتیں طے کی ہیں۔ [خواتین کا سفر علم حدیث]

ابتدائی دور میں دینی وعلمی اسفار حصول حدیث وروایت کے لیے ہوتے تھے، مردوں کی طرح خواتین اسلام نے بھی پردہ وحجاب کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی نسوانی نزاکت ووقار کے مطابق گھر ومکان سے دور شہروں کا سفر کیا، بڑے بڑے مشائخ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا، حدیث روایت کی، پریشانیاں اور مشقتیں جھیل کر علوم حدیث کا سرمایہ افتخار حاصل کیا، تاریخ وتذکار کی کتب میں اس طرح کی متعدد خواتین کی رحلت علمیہ کا ذکر ملتا ہے، قاضی اطہر مبارک پوری نے متعدد خواتین کا علمی سفر بیان کیا ہے ان میں سے چند کا ذکر ملاحظہ کریں:

(۱) ام حسین مجیبہ بنت احمد نے اپنے وطن نیشا پور سے بغداد کا سفر کر کے یہاں کے شیوخ ومحدثین سے روایت کی، چنانچہ ۳۹۳ھ میں شیخ ابو الحسن شوطی بغدادی نے ان سے بغداد میں روایت کر کے ان کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ [تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ص ۴۴۴]

(۲) ام علی تقیہ بنت ابو الفرج بغدادیہ نے بغداد سے مصر جا کر مدتوں قیام کیا اور اسکندریہ میں ابو طاہر احمد بن محمد سے اکتساب علم

کیا۔ [تاریخ ابن خلکان، جلد اول، ص ۱۰۳]

(۳) زینب بنت برہان الدین اردبیلیہ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی، ہوش سنبھالنے کے بعد انھوں نے اپنے چچا کے ساتھ بلاد عجم کا سفر کیا اور بیس سال بعد مکہ مکرمہ واپس آئیں۔

[العقد الثمین، جلد ۸، ص ۲۲۴]

(۴) زلیخا بنت الباس الواعظہ شہر غزنین کی رہنے والی تھیں، یہاں سے مکہ مکرمہ گئیں اور علما و محدثین سے حدیثیں روایت کر کے کئی سال تک حرم کی مجاورت کے بعد فارس کے شہر ساوا چلی گئیں، اس سفر و اقامت میں زلیخا الوعظہ نے حرم میں روایت اور عبادت دونوں نعمتیں حاصل کیں۔ [العقد الثمین، جلد ۸، ص ۲۳۷]

(۵) ام محمد زینب بنت احمد بن عمر کا وطن بیت المقدس تھا، امام ذہبی نے ان کو ''العمرۃ الراحلۃ'' کے القاب سے یاد کیا ہے، کیونکہ دور دراز ملکوں کا سفر کر کے تحصیل علم اور حدیث کی روایت میں مشہور تھیں اسی وجہ سے بعد میں دور دراز ملکوں کے طلبہ حدیث ان سے روایت کرتے تھے۔ [ذیل العبر، ذہبی ۸۹]

یہاں یہ بات واضح رہے کہ محدثین و شیوخ اپنی درسگاہوں میں خواتین کے لیے مستقل الگ انتظام رکھتے تھے تاکہ مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو انتہائی پردہ کا اہتمام کیا جاتا تھا اور وہاں سے خواتین سماع حدیث کیا کرتی تھیں۔

**خواتین اسلام کی ذہانت وفطانت**

کسی بھی علم کے حصول کے لیے ذہانت وفطانت، ضبط و حفظ میں قوی ہونا ضروری ہے، خاص طور سے علوم حدیث میں کہ بغیر اس کے کام چل ہی نہیں سکتا، کیونکہ تھوڑی سی بھی قوت حافظہ میں کمی واقع ہوئی، ناقدین ہر وقت اس پر تنبیہ فرماتے ہیں اور بد حافظہ کا چارج لگ جاتا ہے، جبکہ یہ وہ چارج ہے جس کے سبب اعتماد اٹھ جاتا ہے اور بد حافظہ راوی کی روایت شکوک وشبہات کے دائرہ میں آجاتی ہے، اس لیے اس فن میں وہی لوگ طبع آزمائی کرتے ہیں، جن کو اپنے حافظہ پر بھر پور اعتماد ہے اور پیدائشی طور پر جنھیں وافر مقدار میں قوت حافظہ کی دولت فراہم ہوئی ہے۔

چونکہ خواتین اسلام نے بھی فن علوم حدیث میں مہارت و کمال حاصل کیا، اس لیے ان کی ذہانت کے چند نمونے پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

امام زین الدین ابوالحسن علی بن ابراہیم دمشقی مصری (۵۹۹) کا بیان ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے ماموں امام شریف الاسلام عبدالوہاب سے تفسیر پڑھ کر والدہ کے پاس جاتا تھا تو وہ مجھ سے دریافت کرتیں ''ایش فسر الیوم'' بھائی نے آج کیا تفسیر بیان کی؟ جب میں بتاتا کہ فلاں فلاں سورتوں کی تفسیر بیان کی ہے تو فرماتیں کیا فلاں کا قول نقل کیا؟ کیا فلاں کی بات بیان کی؟ جب میں کہتا کہ نہیں تو ان کو بیان کر کے کہتی تھیں کہ انہوں نے یہ چھوڑ دیا ہے۔

ان کا یہ حال تھا: کانت تحفظ کتاب الجواھر وھو ثلاثون مجلدا تالیف والدھا الشیخ الفرج واقعدت اربعین سنۃ فی محرابھا۔ وہ اپنی والد کی لکھی ہوئی تفسیر کتاب الجوہر کو جو تیس جلدوں میں تھی، زبانی یاد رکھتی تھیں اور چالس سال تک مصلیٰ پر بیٹھی عبادت کرتی رہیں۔ [طبقات الحنابلہ، جلد ا، ص ۴۴۰]

امام سراج الدین عمردانی (۲۴۳) کی اولاد میں ایک نابینا صاحبزادی تھیں جو اپنے زمانے میں قوت حافظہ میں عجوبہ روزگار شمار کی جاتی تھی، بیان کرتے ہیں کہ:

وکانت لہ بنت عمیا تحفظ کثیرا اذا سئلت عن باب من العلم من الکتب الستۃ ذکرت اکثرہ وکانت فی ذالک اعجوبۃ۔ یعنی ان کی لڑکی نابینا تھی، اس حافظہ کا یہ حال تھا کہ صحاح ستہ کی کسی حدیث کے بارے میں پوچھا جاتا تو فوراً بتا دیتی تھیں، وہ قوت حافظہ میں حیران کن شخصیت کی حامل تھیں۔

[طبقات الحنابلہ، ص ۴۴۳]

حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ تابعیات میں سے ہیں، بہت زبردست عالمہ شمار کی جاتی ہیں، یہ ایسی محدثہ ہیں جنھیں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ومرویات اور فقہی آرا کا سب سے زیادہ علم تھا، ابن حبان نے ان کے بارے میں کہا: کانت من اعلم الناس بحدیث عائشۃ۔ یعنی ان کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کا علم سب سے

زیادہ تھا۔ [تہذیب التہذیب، جلد ۲۱، ص ۴۳۸]

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز فرماتے ہیں: ما بقی احد اعلم بحدیث عائشة من عمرة۔ یعنی اب کوئی شخص ایسا نہیں رہ گیا جو احادیث عائشہ کو عمرہ سے زیادہ جانتا ہو۔ [ایضا]

ان کے بارے میں حضرت امام زہری نے کہا: فوجدتها بحر الا ینزف۔ یعنی میں نے ان کو علم کا ایسا سمندر پایا جو کبھی کم نہیں ہوتا۔ [تذکرۃ الحفاظ، جلد اول، ص ۱۰۶]

محدثہ امۃ الواحد ستیتہ نہایت عالمہ فاضلہ صالحہ خاتون تھیں، نحو، صرف، حساب بلاغت، فرائض میں کمال کا ملکہ تھا، حافظ ذہبی کہتے ہیں: حفظت القرآن والفقه وبرعت مذهب الشافي وكانت تفتي مع ابي علي بن ابي هريرة۔ یعنی انہوں نے قرآن اور فقہ کو زبانی یاد کیا تھا اور فقہ شافعی میں ان کو کمال حاصل تھا، وہ شیخ ابو علی بن ابو ہریرہ کے ساتھ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ [العبر، جلد ۳، ص ۴]

حافظ ابن جوزی نے فرمایا: وكانت فاضلة من احفظ الناس للفقه على مذهب الشافعي۔ یعنی وہ نہایت فاضلہ اور مذہب شافعی کے فقہ کی سب سے بڑی حافظہ تھیں۔

[المنتظم، جلد ۶، ص ۱۳۹]

خواتین اسلام کے تدریسی وتصنیفی کارنامے

صحابیات وتابعیات نے علوم حدیث کی اشاعت وفروغ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ بعد میں آنے والی خواتین اسلام کے لیے وہ مشعل راہ ثابت ہوئے، ان معزز خواتین نے اپنے ماقبل کے محدثات وفقہیات کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے ان تمام ذرائع کو اپنایا جو عام فقہا ومحدثین اور حاملین درایت وناقلین روایت کے یہاں رائج تھے، انہوں نے درس حدیث کی بزم سجائی، بعض نے ادارہ قائم کیا، کسی نے متعدد شہروں وقصبوں کا دورہ کر کے کتاب وسنت کے علوم کی اشاعت میں بھرپور حصہ لیا، ہم یہاں چند خواتین اسلام کا تذکرہ کرتے ہیں:

(۱) **سندۃ الشام محدثہ زینب بنت احمد مقدسیہ!** اپنے دور کی بڑی جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدثہ ہیں، احادیث کی بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا، آپ کی درسگاہ میں شائقین علوم حدیث کی بھیڑ لگی رہتی تھی، آپ نے اپنی پوری زندگی درس حدیث میں گزار دی۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: وتكاثروا عليها وتفردت وروت كتبا كبارا۔ یعنی ان کے پاس طلبہ کی بھیڑ لگی رہتی تھی، وہ بہت سی احادیث کی روایت میں متفرد تھیں، انہوں نے حدیث کی بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا۔ [العبر، جلد ۵، ص ۲۱۳]

(۲) **محدثہ شہدہ بنت احمد بغدادیہ،** انتہائی بزرگ ترین شخصیت کی مالکہ تھیں، درس حدیث میں آپ کو کمال حاصل تھا، آپ کے بارے میں ابن جوزی کی صراحت یہ ہے: وكان لها بر وخير قروأ عليها الحديث سنين وعمرت حتى قاربت المائة۔ یعنی وہ بڑی پارسا اور سراپا خیر تھی ان سے برسوں درس لیا گیا اور تقریباً سو سال زندہ رہیں۔ [المنتظم، جلد اول، ص ۲۲۸]

آپ کو سماع عالی کا شرف حاصل تھا، اس لیے ائمہ فن آپ کی درسگاہ میں حاضر ہو کر سماع کا شرف حاصل کرتے، مورخ ابن خلکان رقمطراز ہیں: وكان لها سماع عال الحقت فيه الاصاغر بالاكابر۔ یعنی ان کو سماع عالی حاصل تھا، اس سے انہوں نے خلف کو سلف سے ملا دیا۔ [وفیات الاعیان، جلد ۳، ص ۲۳۳]

(۳) **محدثہ کریمہ بنت احمد مروزیہ!** درس حدیث میں آپ کو بڑا درک حاصل تھا اور صحیح بخاری کے درس میں کو آپ کو خاصی شہرت حاصل تھی، اس عہد کے بڑے بڑے مشاہیر روایت بخاری کے لیے آپ کی طرف مراجعت فرماتے تھے، خطیب بغدادی ۴۳۶ھ میں حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ حاضری ہوئے تو صرف پانچ دن میں ان سے مکمل بخاری شریف پڑھی، ابن جوزی فرماتے ہیں: وقرا عليها الائمة كالخطيب وابن المطلب والسمعان وابي طالب زبيني یعنی ان سے خطیب بغدادی، ابن مطلب، سمعانی اور ابو طالب جیسے ائمہ حدیث نے پڑھا۔ [المنتظم، جلد ۸، ص ۲۷۰]

(۴) **محدثہ فاطمہ بنت احمد!** مکہ مکرمہ کی عظیم اور نامور خواتین میں آپ کا شمار ہوتا ہے، شہر امین بلد حرم مکہ مکرمہ میں احادیث کا درس دیا کرتی تھیں، روزانہ آپ کی درسگاہ میں طلبہ کا ہجوم رہتا اور ایام حج میں یہ بھیڑ بدرجہا بڑھ جاتی، اکابر فن، ائمہ حدیث آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کرتے، امام تقی الدین فاسی بیان

کرتے ہیں: حدثت وسمع منها الاعیان من شیوخنا و غیرهم وسمعت علیها الثقفیات. یعنی انہوں نے حدیث کا درس دیا اور ان سے ہمارے اساتذہ وغیرہ میں سے بڑے ممتاز حضرات نے سماع کیا ہے اور خود میں نے ان سے کتاب الثقفیات کا سماع کیا ہے۔ [العقد الثمین، جلد ۸، ص ۲۹۶]

(۵) محدثہ شمس الضحیٰ بنت محمد بن عبد الجلیل! یہ عابدہ، صالحہ، زاہدہ، متقیہ انتہائی اعلیٰ اور باذوق مدرسہ ومعلمہ تھیں، باقاعدہ حلقۂ درس کا اہتمام فرماتیں، طلبہ بکثرت حاضر ہوتے اور سماع حدیث کا شرف حاصل کرتے، امام تقی الدین فاسی مکی بیان کرتے ہیں: وسمع منها جماعة من طلبة الحدیث۔ ان سے طلبہ حدیث کی ایک جماعت نے سماع حدیث کیا۔ [العقد الثمین، جلد ۸، ص ۲۵۷]

ان کے علاوہ کتب تواریخ میں سیکڑوں محدثات وفاضلات کا تذکرہ موجود ہے، جنھوں نے درس حدیث کا اہتمام کیا اور ایک زمانہ کو مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا، ان میں سے چند محدثات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) فاطمہ بنت ہلال بن احمد کرجیہ (۲) زینب بنت احمد تونسیہ مکیہ (۳) فاطمہ بنت عبد الرحمن بغدادیہ (۴) فاطمہ بنت نفیس الدین مکیہ (۵) علیہ بنت حسان وغیرہ۔

قاضی اطہر مبارک پوری خواتین اسلام کے تصنیفی کارنامے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''بنات اسلام نے علم حدیث کی اشاعت میں صرف درس و تدریس اور روایت ہی سے کام نہیں لیا، بلکہ محدثین کی طرح انہوں نے بھی اس فن میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور اسلامی کتب خانوں میں اپنی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا، اپنی مرویات کو کتابی شکل میں مدون کیا، فن رجال میں کتابیں تحریر کیں، کتب احادیث کو نقل کیا، ان میں بہت سی عالمات کتابوں کے ضبط ومقابلہ اور تصحیح میں خاص ملکہ رکھتی تھیں۔''

[خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات، ص ۵۶]

محدثہ عجیبہ بنت محمد یہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ولها مشخیة فی عشرة اجزاء۔ یعنی شیوخ واساتذہ کے تذکرہ میں ان کی ایک کتاب دس جلدوں میں ہے۔ [العبر، جلد ۵، ص ۱۹۴]

محدثہ فاطمہ بنت محمد اصفہانیہ کے بارے میں امام فاسی کی صراحت ہے: ولها طریقة حسنة فی الوعظ و توالیف حسنة ککتابها الموسوم بالرموز من الکنوز یقارب خمس مجلدات۔ یعنی وعظ گوئی میں ان کو اچھا ملکہ حاصل تھا، انہوں نے اچھی کتابیں لکھیں جیسے ان کی کتاب الرموز من الکنوز ہے جو تقریباً ۵ رجلدوں پر مشتمل ہے۔ [العقد الثمین، جلد ۸، ص ۲۰۲]

**خواتین اسلام کے ذریعہ مدارس نسواں کا قیام**

ابتدائی عہد میں اہل علم حضرات اپنے مکانوں، محلہ کی مسجدوں اور جامع مسجدوں میں درس وتدریس کی انجمن سجاتے تھے، جب مستقل مدارس کا رواج ہوا اور جگہ جگہ دینی علوم کے مراکز قائم ہوئے تو خواتین اسلام میں بھی دار البنات کے قیام کی طرف رغبت پیدا ہوئی اور متعدد خواتین کی کوششوں سے بہت سارے مدارس کا وجود بھی عمل میں آیا۔

چنانچہ مغرب اقصیٰ کے شہر فاس کی محدثہ عابدہ زاہدہ فاطمہ بنت محمد بن عبد اللہ فہریہ نے اسلامی شہزادیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے دار البنات قائم کیا، اپنی جیب خاص سے زمین خریدی، بنیاد کے دن سے تعمیر مکمل ہونے تک روزہ رکھا، زمین کی خریداری سے لے کر تعمیر تک مکمل اخراجات خاندانی وارثت کے مال سے پورا کیا، شنبہ یکم رمضان المبارک ۲۴۵ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی، مغرب اقصیٰ کے شہر فاس میں لڑکیوں کا یہ پہلا مدرسہ تھا جو بعد میں چل کر جامع قرویین کے نام سے مشہور ہوا۔

ان ہی کی بہن مریم بنت محمد نے اسی سال ایک مسجد کی تعمیر کرائی، جس میں اپنے والد سے پائی ہوئی وراثت کا مال خرچ کیا بعد میں یہ مسجد جامع الاندلسی کے نام مشہور ہوئی اور اس سے صدیوں تک علوم وفنون کا سرچشمہ جاری رہا اور چوتھی صدی میں اس کو جامع قرویین کی شاخ تسلیم کیا گیا۔ [حاضر العالم الاسلامی، ص ۳۳۳]

قاضی اطہر مبارکپوری رقمطراز ہیں:

''یمن کے شہر زبید میں مدرسہ ام السلطان المجاہد تھا جس کے مدرس شیخ ابو اسحق ابراہیم بن عمر علوی تھے، دمشق میں مدرسہ

عذاراویہ اور مدرسہ خاتونیہ برانیہ مشہور مدارس میں شمار ہوتے تھے، جن کی تعمیر خواتین نے کی تھی اور علما و محدثین ان میں درس دیا کرتے تھے۔" [خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات، ص ۱۰۰]

امرا وسلاطین کی شہزادیاں اور بیگمات بھی دار البنات اور علمی مراکز کی تعمیر میں دلچسپی لیتی تھیں، ان کے شوق وجذبہ کے نتیجے میں متعدد ادارے معرض وجود میں آئے اور لمبے زمانے تک علوم حدیث کی اشاعت کا ذریعہ بنے اور تشنگان علوم اس چشمۂ علم و حکمت سے سیراب ہوتے رہے۔

سلطان مصر محمد بن قلادون کی شہزادی اور امیر بکر حجازی کی بیگم نے مصر میں ۷۶۱ھ میں المدرسۃ الحجازیہ تعمیر کیا، جس کے منصب صدارت پر شیخ الاسلام سراج الدین عمر بن ارسلان بلقینی برسوں تک جلوہ گر رہے۔ [ایضا، ص ۱۰۸]

سلطان صلاح الدین ایوبی کی بہن ربیعہ خاتون نے مقام جبل میں ایک مدرسہ تعمیر کیا تھا، اسی ۸۰ رسال سے زائد عمر پاکر ۶۴۳ھ میں انتقال کیا اور اسی مدرسہ میں دفن کی گئیں۔ [العبر، جلد ۵، ص ۱۶۷]

ترکی کے سلطان مراد خان کی والدہ نے شہر اسکدار میں ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا اور اس کے افتتاح کی تقریب بہت ہی شاندار طریقے سے منائی اور عام جلسہ کا اہتمام کیا، جس میں اور علما و فضلا اور مشائخ کی ایک بڑی جماعت شریک ہوئی اور شیخ احمد بن روح جابری انصاری حنفی نے سورۂ انعام کی تفسیر بیان کر کے پہلا درس دیا، اس موقع پر نہایت شاندار دینی علمی جشن منایا گیا، سلطان کی والدہ نے تمام شرکائے درس کی دعوت کی اور سب کو ایک ایک ہزار دینار عطیہ دیا، انواع واقسام کے کھانے سے حاضرین کی تواضع کی گئی اور ان ہی شرکائے درس سے تقریباً پچاس اہل علم کو مدرسہ میں درس وتدرس کے لئے مقرر کیا گیا۔ [الطبقات السنیۃ، جلد اول، ص ۴۰۶]

الغرض خواتین اسلام نے ہر دور میں کتاب وسنت کی تعلیم و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، ان کے کارنامے اور خدمات دینیہ وعلمیہ قابل تقلید ہیں، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت، تقریروں وخطابت، وعظ ونصیحت، تصوف وطریقت میں وہ کسی طرح مردوں سے پیچھے نہ تھیں، ان کی نازک مزاجی، صنفی اوصاف، نسوانی وقار، نقاب وحجاب، عظمت وپارسائی کبھی بھی دین کی خدمت اور علم کی اشاعت میں روکاوٹ نہ بن سکی، وہ شریعت مطہرہ کی حدود وقیود کی پابندی کرتے ہوئے ہر محاذ پر سرخرو وسرفراز نظر آتی ہے۔

**خواتین اسلام کے القاب وآداب**

نزول قرآن کے زمانے میں میخانۂ توحید کے متوالوں نے عشق ووارفتگی میں ڈوب کر کوئی عمل صالح انجام دی تو ان کی حوصلہ افزائی کے لئے کوئی نہ کوئی آیت نازل ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر کسی سے کوئی کوتاہی سرزد ہوگئی تو انہیں آگاہ ومتنبہ کرنے کے لئے بھی کوئی آیت آجاتی اور انہیں سنبھلنے کا موقع دیا جاتا، کسی کی خوبی وکمال کو سراہنا، اچھی کارکردگی پر حوصلہ افزائی کرنا، نمایاں کار خیر کا اعتراف کر کے وسعت نگاہی واعلیٰ ظرفی کا اظہار کرنا ارباب علم ودانش کا وطیرہ رہا ہے۔

علمی دنیا میں جن لوگوں نے اپنی دینی خدمات کے ذریعہ اونچا مقام پیدا کیا، ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے زمانے نے بلند وبالا القاب وآداب سے اعزاز بخشا اور وہ اس پر شکوہ القاب سے متعارف ومشہور ہوئے، کسی کو محدث، کسی کو امام کسی کو حافظ، حاکم الحجۃ جیسے القاب سے نوازا گیا اور یہ صرف مردان فکر ونظر اور رجال علم وہنر کے ساتھ تخصص نہیں بلکہ خواتین اسلام میں سے بھی جنہوں نے علم دین کی نشر واشاعت اور خدمات علوم حدیثیہ میں اپنی زندگی گزاری، درس وتدریس سے جن کا والہانہ لگاؤ تھا، اہل علم نے انہیں بھی حسب مراتب القاب وآداب سے یاد کیا اور مسلمانوں نے ان کی علمی ودینی امامت وقیادت کو تسلیم بھی کیا، وہ بعض القاب اور صاحبات القاب یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| ست الاجناس: | موفقیہ بنت عبد الوہاب مصریہ |
| ست الاھل: | ام احمد بنت علوان بعلبکیہ |
| ست الشام: | خاتون اخت الملک العادل |
| ست العرب: | ام الخیر بنت یحیٰ دمشقیہ |
| ست الکل: | عائشہ بنت محمد قلیسیہ |
| ست الملوك: | فاطمہ بنت علی بغدادیہ |
| ست الفاس: | کمالیہ بنت احمد مرادیہ |

(بقیہ ص ۲۲ پر)

# جلوۂ انوار حق! ایک تعارف

نام کتاب: جلوۂ انوار حق
نام مصنف: مفتی صابر القادری فیضی
صفحات: ۱۲۸ قیمت: ۸۰/روپئے
ناشر: شہزادگان صوفی ملت، صوفی کالونی میواتی پورہ، فیض آباد
مبصر: مفتی محمد شمشاد حسین رضوی

میرے ''ای میل ایڈریس'' پر ایک ''پی ڈی ایف'' فائل موصول ہوئی، بعد میں میں نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ ''جلوۂ انوار حق'' نامی کتاب کی فائل تھی، اس کے مؤلف کا نام ''علامہ مفتی محمد صابر القادری'' ہے، قادری صاحب قبلہ مدرسہ عربیہ رحمانیہ رحمن گنج ضلع بارہ بنکی کے پرنسپل اور قادری منزل مکان نمبر ۷/۱۱/۲۷، صوفی کالونی، میواتی پورہ، شہر فیض آباد کے رہنے والے ہیں، قادری صاحب نے اپنے بارے میں فون پر تفصیل سے بتایا اور اپنی دیگر تصانیف کے تعلق سے اجمالی طور پر تذکرہ کیا، حالانکہ میں نے قادری صاحب کو دیکھا نہیں ہے اور نہ ہی کسی موقع پر دوبدو گفتگو کا موقع ملا ہے، ہاں میری معلومات میں بس وہی چند باتیں ہیں جو انہوں نے بتائیں یا پھر ان کا تحریری سرمایہ ہے جو پی ڈی ایف کی صورت میں محفوظ ہے، اسی تحریری سرمایہ کے حوالے سے چند باتیں پیش کی جارہی ہیں:

اس کتاب کا نام ''جلوۂ انوار حق'' رکھا گیا ہے، اس کا معنی ''حق کی روشنیوں کا جلوہ'' کسی بھی کتاب ومقالہ کا عنوان یا نام ہی اصل ہوا کرتا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ نام کو مضامین کے درمیان مرکزی حیثیت حاصل ہوا کرتی ہے اور ہر مضمون اسی کے ارد گرد رہتے ہوئے پابہ رکاب ہوا کرتا ہے اور قاری کے ذہن وفکر کو اسی کے سہارے ارتقا کی منزلوں سے ہم کنار کرتا رہتا ہے، یہ اسی وقت ہوا کرتا ہے جب مضمون میں جامعیت پائی جاتی ہے اور جب اس میں حرکی نظام پایا جاتا ہے، کتاب کا یہ نام اس بات کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہ کتاب کس پس منظر میں لکھی گئی ہے؟

یہ پس منظر کہیں اور نہیں پایا جاتا ہے بلکہ دور حاضر کے حالات اور اس کا تقاضا ہی ''جلوۂ انوار حق'' کا پس منظر ہے دور حاضر کے حالات کیا ہیں؟ ہر کوئی جانتا ہے دور حاضر میں بے راہ روی پائی جاتی ہے اور اس میں اندھیروں کا بول بالا ہے اور ذہنی رجحانات صحیح سمت سے بھٹک چکے ہیں، یہ صورت حال زندگی کے تمام شعبوں میں پائی جاتی ہے اور سماج کے ہر ایک گوشہ میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہے، عوام بھی ان حالات سے دوچار ہیں اور خواص بھی، تنظیم وتحریکات کا بھی یہی حال ہے اور جامعات ومدارس کا بھی، انفرادی کوششوں میں بھی اس کی گہری چھاپ پائی جاتی ہے اور جماعتی نظام بھی اس سے خالی نہیں ہے، جسے بھی دیکھا جائے بس وہ اسی کوشش میں لگا ہوا ہے دنیا مل جائے اور عیش وعشرت کی زندگی نصیب ہوجائے اور بس، دین کیا ہے؟ اس کے کیا تقاضے ہیں؟ اسلام ہم سے کن چیزوں کا مطالبہ کر رہا ہے؟ اس بات کی فکر کسی بھی فرد کو نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ سب کو دنیا مل رہی ہے مگر دین کی صحیح فکر اس سے کوسوں دور جا پہنچی ہے، اس پر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہم اور ہماری قوم اپنے آپ میں کسی قسم کی اصلاح اور تبدیلی لانے کے روادار نہیں، سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے بھی ان ناگفتہ بہ حالات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
خوفِ خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

شاعری وہی کامیاب ہوتی ہے جس میں اصلیت اور صداقت کی نمائندگی پائی جاتی ہے کہ اسی کی بدولت شاعری میں حسن نمایاں ہوتا ہے اور دلکشی پائی جاتی ہے بھاری بھرکم لفظوں، جملوں سے شاعری کا جسم بوجھل ہوجاتی ہے لیکن جب اس میں سادگی رچ بس جاتی ہے تو اس کے انگ انگ سے نہ معلوم کس قدر انوار وتجلیات بکھرنے لگتے ہیں اس کا اندازہ نہیں لگایا جاتا ہے، اوپر درج شعر میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی کامیاب شاعر کی شاعری میں ہونی چاہئے۔

بات تو سوفیصد صحیح ہے کہ دور حاضر میں نہ تو شرم نبی پائی جاتی ہے اور نہ ہی اللہ کا خوف، اسی لئے لوگوں کے عمل میں بے راہ

روی پائی جاتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کسی کے مزاج میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی اصلاح کے لئے براہ راست نشتر لگانے کے بجائے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے سامنے ایسی فضا تعمیر کی جائے جس سے بھینی بھینی نکہت آتی رہے اور اس میں کچھ اس انداز کا ہلکا سا تبسم ہو جو بگڑے ہوئے مزاجوں پر اثر کرے دل اور دماغ دونوں کو فرحت و انبساط سے آشنا کرتا رہے، میں مبارک باد پیش کرتا ہوں مولانا صابر القادری صاحب کو کہ انہوں نے موقع کی نزاکت کو سمجھا اور عشق و محبت کی باتیں پیش کیں۔

ایسے ناگفتہ ماحول اور پرآشوب دور میں پاکیزہ محبت کی بات کرنا ایسا ہی ہے جیسے دھوپ کی تمازت اور حرارت سے پریشان انسان کے لئے آرام دہ سایہ کا پایا جانا، مولانا صابر القادری صاحب نے سلسلہ عشق و محبت اور ادب و احترام کو دراز کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درجات عالیہ اور ان کی عظمتوں کو قرآن مقدس اور احادیث پاک کے حوالے بیان فرمایا ہے، ساتھ ہی ساتھ حضرت امیر معاویہ اور حضرات حسنین کریمین کے فضائل کو بھی اجاگر کیا ہے جو اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان صحابہ کرام کی حیات پاک اور ان کی سیرتوں سے اقتباس انوار کئے بغیر کوئی بھی انصاف پسند اپنی زندگی کو کامیاب نہیں بنا سکتا ہے جہاں اس کتاب کے مطالعہ کرنے دل و دماغ میں تروتازگی اور موسم بہار جیسی سبز و شادابی نمایاں ہوگی وہیں سماج و معاشرہ میں اصلاحات ہوں گے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جانثاروں کی عظمتوں کو سلام کرنے کے سبب باطن میں بھی سدھار ہوا کرتا ہے اور ظاہری زندگی میں بھی اس کے خوش گوار اثرات دکھائی دینے لگتے ہیں کہ انہیں نیک لوگوں کی بدولت ہم جیسے گناہگاروں کو سلامتی ملی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے لولا الصالحین لھلك الطالحون کہ اگر نیک لوگ نہ ہوتے تو برے لوگ ہلاک ہو جاتے اور اسی بات کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس طرح فرمایا ہے۔

ان کے غلاموں کا نقشِ قدم ہے راہِ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

مفتی صابر القادری صاحب نے اسی سراغ کے سہارے اپنی کتاب کو ترتیب دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا تذکرہ کیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوا کرتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تعمیر و تشکیل کرتے وقت اس بات کو بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ راہ میں کون سا ایسا روڑا ہے اور وہ کون سا ایسا کانٹا ہے جسے ہٹانا ضروری ہوا کرتا ہے کہ اس کو ہٹائے بغیر تعمیر ہو ہی نہیں سکتی ہے، رافضی کا ذکر نے اور اس کی شناخت بتانے میں بھی تعمیر کا پہلو مضمر ہے اسی تناظر میں مولانا کی کتاب کا مطالعہ کریں بڑا مزہ آئے گا، مولانا موصوف نے اپنی کتاب میں جو بات کہی ہے یوں ہی نہیں کہی ہے بلکہ حوالوں کے ساتھ کہی ہے اور مستند دلیلوں کے ساتھ کہی ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے اور اسلوب ایسا اختیار فرمایا ہے کہ کم پڑھا لکھا بھی اس کتاب سے استفادہ کر سکتا ہے اور پڑھے لکھے افراد کے لئے بھی یہ اسلوب مفید تر ہے کہ اس میں اشعار پیش کرنے کے سبب زبردست تاب و توانائی رچ بس گئی ہے، میں اسی پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور دل سے مولانا کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کتاب کو ان کے لئے آخرت کے لئے زاد راہ اور عوام کے لئے ہدایت کی شاہراہ بنائے، آمین ثم آمین۔

■■■

## رسالے کے مضامین معیاری اور تحقیقی ہیں

مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً سے واپسی پر بہ نیت دعائے خیر دقائق مواعظ مصطفویہ، وارث علوم نبویہ، بحار العلوم، کشف الدقائق المعلوق والمفہوم، تاج الشریعہ، بدر الطریقہ حضور مفتی شاہ محمد اختر رضا خاں قادری ازہری تجلی اللہ تعالیٰ علیہ بشان الغفاری کی خدمت پاک میں حاضر ہوا، بعدہ ازہری گیسٹ ہاؤس میں حضرت مولانا عابد رضا رضوی حفظہ القوی خادم خاص حضور تاج الشریعہ کے توسط سے ماہنامہ سنی دنیا باصرہ نواز ہوا، پڑھ کر بیحد خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ رسالے کے مضامین معیاری و تحقیقی ہیں اور ہر لحاظ سے قلب ونظر کو اپنے علمی فیض سے فیضیاب فرمار ہے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس مبارک رسالے کی ادارت ایسی ذات گرامی فرما رہی ہے جو اپنے علم وعمل زہد وورع احتیاط فی الشرع اور دیگر اوصاف وخصائل کی بدولت حلقۂ علم ودانش میں محتاج تعارف نہیں، جس کو دنیائے سنیت محقق مسائل عصر، عاشق پیغمبر، ماہر رضویات، قاطع نجدیات، حضرت علامہ مفتی عبد الرحیم نشتر فاروقی قادری رضوی حفظہ اللہ تعالیٰ عن کل شر جنی وانسی کے نام سے جانتی ہے، آپ کے نوک کلک سے نکلے ہوئے کواکب ودرر کی نشتر زنی معاندین مسلک اعلیٰ حضرت کو چین سے جینے مرنے نہیں دیتی، اللہ عزوجل آپ کو عمر طویل عطا فرمائے تاکہ آپ کے علم وعمل سے ہم فیضیاب ہوتے رہیں اور ماہنامہ سنی دنیا کو پوری سنی دنیا میں عام فرماوے تاکہ اس کے علمی وتحقیقی مضامین سے ہمیشہ قلب وذہن کو تر وتازگی ملتی رہے، آمین بجاہ النبی الکریم الامین۔

یا خدا سنی دنیا سلامت رہے<br>
نام اس کا یونہی تا قیامت رہے

اس سے جاری ہوں بیحد علوم وفنون<br>
چشم اعداء سے اس کی حفاظت رہے

تا ابد قاریوں کو رہے بانٹتا<br>
اس کی علمی وراثت سلامت رہے

اس کی ضو پاشیاں رات دن ہو فزوں<br>
نیر برج رشد و ہدایت رہے

تیرے ارشد کے دل کی دعا ہے یہی<br>
سنی دنیا سلامت سلامت رہے

طالب دعا: محمد ارشد نعیمی قادری نگرالوی<br>
بدایوں شریف، فاضل جامعہ نعیمیہ مرادآباد

ص ۵۸ کا بقیہ..............................

کرو ناز اس کی عنایات پہ<br>
ضیا بار قسمت کو کہتے ہیں ماں

نہیں کر سکے جس کی کوئی نفی<br>
اٹل اس صداقت کو کہتے ہیں ماں

ہے وہ صاف وشفاف شیشے کی مثل<br>
مکمل وضاحت کو کہتے ہیں ماں

نہیں دیکھ پائے جو بچوں کا دکھ<br>
اس ابر حمایت کو کہتے ہیں ماں

ہے مضمون جس کے ہنسانے اثر<br>
اہم اس عبارت کو کہتے ہیں ماں

پلٹ دے جو کایا بس اک آن میں<br>
اس اجر عبادت کو کہتے ہیں ماں

ہے جو روح رشتوں کی تکمیل کی<br>
اس اصل قرابت کو کہتے ہیں ماں

ہے دیدار جس کا مسائل کا حل<br>
اس امن وبشاشت کو کہتے ہیں ماں

نہیں جس میں اقلاق کا شائبہ<br>
اس امر صراحت کو کہتے ہیں ماں

جہاں ہو نہ پستی کا کوئی گماں<br>
اسی چرخ رفعت کو کہتے ہیں ماں

وہ جب بولے مسحور ہو جائے دہر<br>
زباں کی حلاوت کو کہتے ہیں ماں

ہے غصے میں اس کے سماں پیار کا<br>
کرشمۂ فطرت کو کہتے ہیں ماں

نہیں مل سکے قدر جس کا بدل<br>
اک ایسی حقیقت کو کہتے ہیں ماں

RNI : UPMUL\2017\71926 PER COPY : ₹20.00 PER YEAR : 250.00

# MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan

## HADEETH SHAREEF

Hazrat Abdullah Ibn Amr (Radiyallahu Anhu) said: I was told that Allah's Massenger (Sallallhu Alaihi Wa Sallam) had said, "Prayer" engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, so I went to him sitting counts as half the prayer, so I went to him and I found him praying while sitting, and I put my hand on his head. He said, "What is the matter with you, Abdullah Ibn Amr?" I replaced: "I have been told, Massenger, of Allah (Sallallahu Alaihi Wa Sallam), that you said that prayer engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, Yet you yourself are praying while sitting. "He said, "He said, "Yes, but I am not like one of you."

(Muslim Sharif)